# سورۃ الشعراء

ایاتها ۲۲۷ ﴿۲۶ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۴۷﴾ رکوعاتها ۱۱

جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ مقاتل نے کہا: ان میں سے ایک آیت مدنی ہے جس میں شعراء کا ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہ سورت مکی ہے مگر چار آیات ایسی ہیں جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ سے آخر تک ہیں۔ یہ کل دو سو ستائیس آیات ہیں۔ ایک روایت میں دو سو چھبیس آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ذکر اول سے وہ سورت عطا کی گئی جس میں بقرہ کا ذکر ہے، الواح موسیٰ میں سے مجھے سورۃ طٰہٰ اور طسم عطا کی گئیں، قرآن کے فواتح اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عرش کے نیچے سے مجھے عطا کی گئیں اور مفصل سورتیں مجھے زائد عطا کی گئیں''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ''تورات کی جگہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سات لمبی سورتیں عطا کیں، انجیل کی جگہ مجھے مبین عطا کیں، زبور کی جگہ طواسین عطا کیں حم اور مفصل صورتوں کے ساتھ مجھے فضیلت عطا کی مجھ سے قبل کسی نبی نے ان کی قراءت نہیں کی''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳ اِنْ
نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ
ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ
اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ
زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹

''طا۔ سین۔ میم۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی (اے جان عالم) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمن کی جانب سے مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بے شک انہوں نے تکذیب کی سو مل جائے گی انہیں اطلاع اس امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء

کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے۔ بے شک اس میں (ان کے لیے قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

طٰسٓمّٓ ○ اعمش، یحییٰ، ابوبکر، مفضل، حمزہ، کسائی اور خلف نے اس سورت اور اس جیسی سورتوں میں طاء کو امالہ اور اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع، ابوجعفر، شیبہ اور زہری نے دو لفظوں کے درمیان پڑھا ہے؛ ابوعبید اور حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ اشباع کی صورت میں پڑھا ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تمام فصیح لغتیں ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں نحاس کا قول اس بارے میں گزر چکا ہے، نحاس نے کہا: مدینہ طیبہ کے قاریوں، ابوعمرو، عاصم اور کسائی نے طٰسٓمّٓ نون کو میم میں ادغام کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ فراء نے نون کے اخفاء کے ساتھ کہا اعمش اور حمزہ نے طسین میم، نون کے اظہار کے ساتھ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: سیبویہ کے نزدیک نون ساکنہ اور تنوین کی چار قسمیں ہیں حروف حلقیہ کے وقت ان کو واضح کیا جاتا ہے۔ راء، لام، میم، واؤ اور یاء کے وقت ادغام کیا جاتا ہے، باء کے وقت میم سے قلب کیا جاتا ہے یہ دونوں خیاشیم سے ہیں یعنی دونوں کو واضح نہیں کیا جاتا۔ یہ چار اقسام جن کی وضاحت سیبویہ نے کی ہے یہ قراءت جائز نہیں کیونکہ یہاں حروف حلقیہ نہیں کہ اس کے ساتھ نون کو واضح کیا جائے لیکن اس میں ایک چھوٹی سی توجیہ ہے وہ یہ ہے کہ حروف معجم کا حکم یہ ہے کہ ان پر وقف کیا جائے۔ جب ان پر وقف کیا جائے گا تو نون واضح ہو جائے گی۔ ثعلبی نے کہا: ادغام ابوعبید اور ابوحاتم کا اختیار ہے وہ تمام قرآن پر قیاس کرتے ہیں۔ ان قراء نے تبیین اور تمکین کے لیے اس میں اظہار کیا ہے اور ان علماء نے حروف ضم کی مجاورت کی وجہ سے ادغام کیا ہے۔ نحاس نے کہا: ابواسحاق نے اپنی کتاب فیما یجری وفیما لا یجری، میں حکایت بیان کی یہ کہنا جائز ہے: طسین میم نون کو فتحہ اور میم کو ضمہ دیا جائے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: ھذا معدی کرب۔ ابوحاتم نے کہا: خالد نے طسین میم قراءت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: طٰسٓمّٓ یہ قسم ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، مقسم علیہ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا نام ہے سورت کا آغاز اچھا ہے۔ ربیع نے کہا: قوم کی مدت کا حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عذاب ہے جو ایک قوم پر واقع ہوگا۔ طسم اور طس ایک ہے۔ کہا:

وَفَاؤُكُمَا كَالرَّبْعِ أَشْجَاهُ طَاسِمُهُ　　بِأَنْ تُسْعِدَا وَالدَّمْعُ أَشْفَاهُ سَاجِمُهُ

تم دونوں کی وفا کہ تم رونے کے ساتھ مدد کرو گھر کے ماحول کی طرح ہے اس کے آثار کا مٹنا عاشق کے لیے زیادہ غم دینے والا ہے بہنے والے آنسو اسے زیادہ شفا دینے والے ہیں۔

قرطبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، رفعت اور ملک کی قسم اٹھائی۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل نے کہا: طاء سے مراد طور سینا، سین سے مراد اسکندریہ اور میم سے مراد مکہ ہے۔ جعفر بن محمد بن علی نے کہا: طاء سے مراد طوبیٰ کا درخت ہے، سین سے مراد سدرۃ المنتہیٰ ہے اور میم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاء، طاہر سے اور سین قدوس سے ہے۔ ایک

قول یہ کیا گیا ہے: سین سمیع سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلام سے ہے اور میم مجید سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رحیم سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملک سے ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ طواسیم اور طواسین قرآن میں سورتیں ہیں جن کی جمع غیر قیاسی ہے۔ ابوعبیدہ نے شعر پڑھا:

وبالطّواسیم التی قد ثُلِّثت وبالحوامیم التی قد سُبِّعَتْ

طواسیم تین سورتیں ہیں اور حوامیم جو سات ہیں۔

جوہری نے کہا: صحیح یہ ہے: ذوات کے ساتھ جمع بنائی جائے اور واحد کی طرف مضاف کیا جائے، پس کہا جاتا ہے: ذوات طسم، ذوات حم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ مبتدا کے مضمر ہونے کے ساتھ اس کو رفع دیا جائے وہ ھذہ ہے، یہ کتاب مبین کی وہ آیات ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا کیونکہ تورات اور انجیل میں ان سے قرآن کے نزول کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تلک، ھذہ کے معنی میں ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اپنے نفس کو قتل کرنے والا اور اسے ہلاک کرنے والا ہے۔ سورۂ کہف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کیونکہ انہوں نے ایمان کو ترک کر دیا۔ فراء نے کہا: ان محل نصب میں ہے کیونکہ یہ جزا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ یہ جزا ہے متعارف یہی ہے اس میں قول وہی ہے جو ابواسحاق نے اپنی کتاب جو قرآن کی تفسیر کے متعلق ہے میں کیا ہے: انْ محل نصب میں ہے مفعول لاجلہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے معنی ہے ممکن ہے آپ اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالیں کیونکہ انہوں نے ایمان کو ترک کیا ہے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً آیۃ سے مراد ظاہر معجزہ اور غالب قدرت ہے۔ تو ان کی معلومات بدیہی ہو جاتیں، لیکن پہلے فیصلہ ہو چکا تھا کہ معارف نظریہ ہوں گے۔ ابوحمزہ ثمالی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس آیت کی آواز ہے جو رمضان شریف کی نصف کو آسمان سے سنی جاتی ہے، کنواری عورتیں گھروں سے نکل آتی ہیں اور زمین اس کے لیے چیختی ہے۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ مراد قریش ہیں ان کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ان کی گردنیں ان کے آگے جھکی ہوتی ہیں۔ مجاہد نے کہا: اَعْنَاقُهُمْ سے مراد ان کے بڑے لوگ ہیں۔ نحاس نے کہا: اور لغت میں معروف ہے، یوں کہا جاتا ہے: جاءنی عنق من الناس میرے پاس لوگوں میں سے رؤساء آئے۔ ابوزید اور اخفش نے کہا: اَعْنَاقُهُمْ سے مراد ان کی جماعتیں ہیں؛ یہ جملہ بولا جاتا ہے جاءنی عنق من الناس میرے پاس لوگوں کی جماعت آئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اصحاب اعناق کا ارادہ کیا مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک آیت نازل کرتا جس کے سامنے وہ عاجزی کا اظہار کرتے تو ان میں سے کوئی بھی اپنی گردن معصیت کی طرف نہ پھیرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت ہمارے اور بنی امیہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان پر ہماری حکومت ہوگی اور حضرت معاویہ کے بعد ان کی گردنیں ہماری سامنے جھکی ہوں گی: اسے

ثعلبی اور غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ خاضعین اور خاضعۃ یہاں برابر ہیں، یہ عیسیٰ بن عمر نے کہا: اور مبرد نے اسے پسند کیا معنی ہے جب ان کی گردنیں ذلیل ہو گئیں تو وہ بھی ذلیل ہو گئے، گردنوں کے بارے میں خبر ہے۔ کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ پہلے کی خبر کو ترک کر دیا جائے اور دوسرے کی خبر دی جائے۔ راجز نے کہا:

طولُ الليالي أسرعتْ في نَقْضي طَوَيْنَ طُولي و طَوَيْنَ عَرْضي

اسرعت یہ اللیالی کی خبر ہے اور طول کی خبر کو ترک کر دیا گیا ہے۔ جریر نے کہا:

أرى مَرَّ السنين أخَذْنَ مِنِّي كما أخذَ السِّرارُ من الهلالِ

میں دیکھتا ہوں سالوں کے گزرنے نے مجھ سے حصہ لیا جس طرح سرار ہلال سے حصہ لیتا ہے۔ محل استدلال اخذن ہے۔ یہ جائز ہے کیونکہ مَرّ اور طول کا لفظ کلام سے حذف ہوتا تو اس کا معنی فاسد نہ ہوتا، اسی طرح فعل کو غیر کی طرف لوٹانا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ کیونکہ اگر اعناق کا لفظ ساقط کر دیا جاتا تو کلام فاسد نہ ہوتی اور باقی ماندہ کلام اس معنی کو ادا کر دیتی یہاں تک کہ ارشاد ہوتا: فظلوا لها خاضعين۔ فراء اور ابو عبیدہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ کسائی اس طرف گئے ہیں کہ معنی یہ ہے خاضعيها هم بصریوں اور فراء کے نزدیک یہ خطا ہے اس قسم کا حذف کلام میں واقع نہیں ہوتا، یہ نحاس نے کہا۔

وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ سورۃ الانبیاء میں بحث گزر چکی ہے۔ فَقَدْ كَذَّبُوْا یعنی انہوں نے اعراض کیا اور جو کسی چیز سے اعراض کرتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا تو وہ اس کی تکذیب میں ہوتا ہے۔ فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ یہ ان کے لیے وعید ہے جو انہوں نے جھٹلایا اور جو انہوں نے استہزاء کی اس کی سزا انہیں ضرور پہنچے گی۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور قدرت پر متنبہ کیا اگر وہ اپنے دلوں سے غور کرتے اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ وہ ہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ زَوْجٍ سے مراد قسم ہے، یہ فراء نے کہا، كَرِیْمٍ سے مراد حسن شریف ہے۔ لغت میں کرم سے مراد شرف و فضل ہے نخلة كريمة سے مراد ہے ایسا کھجور کا درخت جو اعلیٰ نسل کی ہو اور زیادہ پھل والی ہو۔ رجل كريم سے مراد شریف، فاضل اور درگزر کرنے والا۔ نبتت الارض اور أنبتت الارض دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نکالنے والا اور اگانے والا ہے۔ امام شعبی سے مروی ہے فرمایا: لوگ زمین کی نباتات ہیں ان میں سے جو جنت میں چلا گیا وہ کریم ہے اور جو جہنم کی طرف چلا گیا تو وہ لئیم ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً زمین میں انبات کا جو ذکر فرمایا اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ان میں سے اکثر تصدیق کرنے والے نہیں کیونکہ ان کے بارے میں مجھے پہلے سے علم ہے سیبویہ کے قول میں کان زائدہ ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وما اكثرهم مومنين۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ عزیز سے مراد ہے وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے اور اپنے اولیاء پر رحم

فرمانے والا ہے۔

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

''اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے رب نے موسیٰ کو (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس یعنی قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور روانی سے نہیں چلتی میری زبان سو (از راہ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں''۔

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی، اِذْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے: واتل علیهم اذ نادی ربك موسى، اس پر یہ کلام وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ دلالت کرتی ہے جو اس کے بعد ہے۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اذکر فعل محذوف ہے جس طرح اس ارشاد میں ہی تصریح ہے وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ (احقاف: 21) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ (ص: 45) وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ (مریم: 19) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی، کذا و کذا۔ نداء سے مراد یا فلاں کے ساتھ بلانا، یعنی تیرے رب نے فرمایا: یا موسیٰ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ پھر خبر دی کہ ظالم قوم کون ہے؟ فرمایا: قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ قوم فرعون، یہ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ سے بدل ہے۔ اَلَا یَتَّقُوْنَ کا معنی ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس شے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ ظالم قوم کے پاس جائیں اور یَتَّقُوْنَ کا قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تقویٰ نہیں رکھتے اور اس پر دال ہے کہ انہیں تقویٰ کا حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قل لهم الا تتقون، انہیں کہو: کیا تم تقویٰ نہیں رکھتے؟ آیت کریمہ میں یاء کے ساتھ فعل آیا ہے کیونکہ خطاب کے وقت وہ غائب تھے اگر تاء کے ساتھ آئے تب بھی جائز ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قل للذین کفروا ستغلبون فعل مضارع کو یاء اور تاء، دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ عبید بن عمیر اور ابو حازم نے الا تتقون دو تاؤں کے ساتھ پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: قل لهم الا تتقون۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: میں ڈرتا ہوں وہ مجھے رسالت و نبوت کے معاملہ میں جھٹلائیں گے۔ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے میرا سینہ تنگ پڑ جائے گا۔ عام قراءت ویضیق اور ولا ینطلق رفع کے ساتھ ہے یعقوب، عیسیٰ بن عمر اور ابو حیوۃ نے ویضیق اور ولا ینطلق میں نصب کے ساتھ قراءت کی ہے اسے اَن

یکذبون کی طرف لوٹایا ہے یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ میں رفع کے ساتھ قراءت دو وجہوں سے ہوگی (۱) اس وجہ سے کہ یہ ابتدا کلام ہے (۲) یہ انی یضیق صدری ولا ینطلق لسانی کے معنی میں ہے اس کا عطف اِنِّیْۤ اَخَافُ پر ہے۔ فراء نے کہا: اسے نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے؛ یہی چیز اعرج، طلحہ، عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے دونوں کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ نحاس نے کہا: مناسب رفع ہی ہے کیونکہ نصب کی صورت میں عطف یُّكَذِّبُوْنِ پر ہے۔ یہ تعبیر بعید از حقیقت ہے جس پر الله تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ (طٰہٰ) یہ اس پر دال ہے کہ یہ اس طرح ہے معنی ہوگا جس طرح میں پسند کرتا ہوں استدلال میں میری زبان رواں نہ ہوگی۔ آپ کی زبان میں لکنت تھی جس طرح سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ حضرت جبرئیل امین کو وحی دے کر اس کی طرف بھیج اسے بھی میرے ساتھ پیغمبر بنادے تاکہ وہ میری مدد و حمایت کرے یہاں لیعیننی نہیں فرمایا کیونکہ معنی معلوم تھا۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا (طٰہٰ:29) سورۂ قصص میں ہے فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ (34) گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سوال کی اجازت دی گئی تھی ان کا مقصود یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی رسالت کو ختم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے بلکہ یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کا مددگار بنایا جائے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ جو امر میں مستقل نہ ہو، اسے اپنے بارے میں تقصیر کا خوف ہو تو وہ اپنے مددگار سے مطالبہ کرے اس میں اس پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔

وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ یہاں ذنب سے مراد قبطی کا قتل ہے اس کا نام ماثور تھا جس طرح سورۂ قصص میں اس کی وضاحت آئے گی، اس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف ہوا کہ اس الزام کی وجہ سے قبطی آپ کو قتل کر دیں گے؛ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ خوف بعض اوقات انبیاء، فضلاء اور اولیاء کو لاحق ہو جاتا ہے جب کہ وہ الله تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور الله تعالیٰ کی ذات فاعل حقیقی ہے الله تعالیٰ جس پر چاہتا ہے کسی کو مسلط کر دیتا ہے۔

قَالَ كَلَّا فرمایا: ہرگز نہیں وہ تمہیں کبھی بھی قتل نہ کر سکیں گے۔ اس ظن سے جھڑکنا مقصود ہے اور الله تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ کا حکم ہے۔ یعنی الله تعالیٰ پر اعتماد کرو اور ان سے خوف کو دور کر دو کیونکہ وہ آپ کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں فَاذْهَبَا تو اور تیرا بھائی جائیں میں نے اسے تیرے ساتھ پیغمبر بنا دیا ہے۔ بِاٰیٰتِنَاۤ ہماری براہین اور معجزات کے ساتھ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ ہماری آیات کے ساتھ۔ اِنَّا مَعَكُمْ مراد الله تعالیٰ کی ذات ہے مُّسْتَمِعُوْنَ جو وہ کہتے ہیں اور جو وہ جواب دیتے ہیں اس کو سننے والے ہیں اس سے ان کے دل کی تقویت مراد لی ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائے گا اور ان کی حفاظت فرمائے گا، استماع سے مراد توجہ سے بات کو سننا ہے الله تعالیٰ کی اس کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ الله تعالیٰ نے اپنی صفت سمیع و بصیر سے لگائی ہے، سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ (طٰہٰ) مَعَكُمْ دونوں کو جمع کے قائم مقام رکھا ہے کیونکہ دو بھی جماعت ہے کہ جمع کا صیغہ ان دونوں اور جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ان سب کے لیے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ تمام بنی اسرائیل کے لیے ہے (1)۔

1۔ المحرر الوجیز

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۙ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ
إِسْرَآءِيلَ ۝ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۙ
وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ۝ قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ
الضَّآلِّينَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ
الْمُرْسَلِينَ ۝ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۝

''سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادہ ہیں رب العالمین کے (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سن کر) کہا: موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جب کہ تو بچہ تھا اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا ہے اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جب کہ میں ناواقف تھا تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے جب کہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم اور بنا دیا مجھے رسولوں سے اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو''۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ابو عبیدہ نے کہا: رسول رسالت کے معنی میں ہے اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگا انا ذوو رسالۃ رب العالمین۔ ہذلی نے کہا:

أَلِكْنِي إِلَيها وَ خَيْرُ الرَّسُو لِ أَعْلَمُهُمْ بِنَوَاحِي الخَبَرْ

مجھے اس کی طرف بھیجو بہترین رسول وہ ہوتا ہے جو خبر کی اطراف کو ان سے سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لقد كَذَبَ الواشون ما بُحْتُ عندهم بِسِرٍّ ولا أرسلتُهم برسولِ

چغل خوروں نے جھوٹ بولا میں نے ان کے ہاں بھید کو ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی کوئی قاصد بھیجا۔

ایک شاعر نے کہا:

أَلَا أَبْلِغْ بَنِي عمرو رسولًا بِأَنِّي عن فُتَاحَتِكُمْ غَنِيُّ

خبردار بنی عمرو کو پیغام پہنچا دو کہ میں تمہارے فیصلہ سے غنی ہوں۔

عباس بن مرداس نے کہا:

أَلَا مَنْ مُبلِغٌ عَنِّي خُفَافًا رسولًا بيتُ أهلِكَ مُنْتَهَاهَا

خبردار! کون خفاف کو میری طرف سے پیغام پہنچائے گا تیرے اہل کا گھر ہی اس کی انتہاء ہے۔

یہاں بھی رسول رسالت کے معنی میں ہے اسی وجہ سے ضمیر مونث ذکر کی۔ ابوعبید نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ رسول کا لفظ دو اور جمع کے لیے ہو۔ عرب کہتے ہیں: هذا رسولی و وکیلی، هذان رسولی و وکیلی، هؤلاء رسولی و وکیلی۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ (الشعراء: 77) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ہم میں سے ہر ایک رب العالمین کا رسول ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یعنی انہیں آزاد کر دو اور ان کا راستہ نہ روکو تا کہ وہ ہمارے ساتھ فلسطین کی طرف جائیں اور انہیں اپنا غلام نہ بناؤ۔ فرعون نے چار سو سال سے انہیں اپنا غلام بنایا ہوا تھا، اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار تھی۔ دونوں فرعون کے پاس گئے ایک سال تک اس نے دونوں کو دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ دربان فرعون کے پاس گیا اس نے کہا: یہاں ایک انسان ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا: اسے اجازت دو ممکن ہے ہم اس کی وجہ سے ہنس لیں۔ دونوں فرعون کے پاس گئے اور پیغام پہنچایا(1)۔

وہب اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے جب دونوں فرعون کے پاس گئے دونوں نے اسے پایا کہ اس نے ببر شیر، شیر اور چیتے وغیرہ نکالے ہوئے تھے وہ ان میں گھوم پھر رہا تھا، ان درندوں کے رکھوالوں کو خوف ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو پکڑ لیں گے وہ درندوں کی طرف جلدی سے بڑھے اور درندے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف جلدی سے بڑھے وہ ان دونوں کے قدموں کو چاٹنے لگے، اپنی دمبوں کو ہلانے لگے اور اپنے رخساروں کو ان کی رانوں کے ساتھ مس کرنے لگے فرعون اس سے متعجب ہوا، اس نے پوچھا: تم دونوں کون ہو؟ دونوں نے جواب دیا: ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا کیونکہ آپ اس کے گھر میں پروان چڑھے تھے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ فرعون نے احسان جتلانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقارت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا: ہم نے تجھے بچپنے میں پالا اور جن بچوں کو ہم نے قتل کیا تھا ان میں ہم نے تجھے قتل نہیں کیا اور کئی سال تک تو ہمارے پاس رہا، جس کا تو اب دعویٰ کر رہا ہے یہ کب سے واقع ہوا؟ پھر اس قول کے ساتھ قبطی کے قتل کا ذکر کیا۔ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ، فعلة جب فاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ایک دفعہ کا عمل ہے شعبی نے فاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فتحہ اولیٰ ہے، کیونکہ یہ عمل ایک دفعہ ہوا اور فاء کے نیچے کسرہ ہو تو اس سے مراد ہیئت اور حالت ہوتی ہے یعنی تو نے وہ فعل کیا جس کو تو پہچانتا ہے تو پھر تو کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جب کہ ہم تیرے احوال سے آگاہ ہیں۔ شاعر نے کہا

كَاَنَّ مِشْيَتَها مِن بيت جارتِها مَرُّ السَّحابة لَارَيْثٌ وَلَا عَجَلُ

گویا اس کی اپنی پڑوسن کے گھر سے چال بادل کے گزرنے کی طرح ہے نہ اس میں سستی ہوتی ہے اور نہ ہی تیزی۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: كان ذلك ايام الرِّدة و الرِّدة۔

---

1۔ تفسیر بغوی (معالم التنزیل)

وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ضحاک نے کہا: قبطی کے قتل کرنے میں تو ناشکروں میں سے تھا کیونکہ وہ ایسا نفس تھا جس کا قتل حلال نہیں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو میں نے تجھ پر تربیت اور احسان کیا اس کی ناشکری کرنے والا تھا، یہ ابن زید کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تو میرے الٰہ ہونے کا انکار کرنے والا تھا۔ سدی نے کہا: تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا تھا کیونکہ تو ہمارے دین میں ہمارے ساتھ تھا جس دن پر تو اب عیب لگا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قبطی کو قتل کیا اور پھر وہاں سے آپ نکلے اور پھر واپس آئے درمیان میں گیارہ سال کا عرصہ حائل تھا۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ میں نے وہ فعل کیا مراد قبطی کا قتل ہے اس وقت میں ناواقف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے کفر کی نفی کی اور یہ بتایا کہ یہ فعل جہالت کی بنا پر تھا۔ مجاہد نے بھی یہی کہا کہ مِنَ الضَّآلِّيْنَ کا معنی ناواقفوں میں سے تھا۔ ابن زید نے کہا: میں اس سے ناواقف تھا کہ گھونسا قتل تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت عبداللہ کے مصحف میں من الجاهلين کے الفاظ ہیں۔ جو آدمی کسی چیز سے جاہل ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: ضل عنه۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ کا معنی ہے میں بھولنے والوں میں سے تھا، یہ ابو عبیدہ نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نبوت سے ناواقف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے کوئی چیز نہیں پہنچی تھی اس لیے میں نے جو کہا اس پر مجھے توبیخ نہیں کی جاسکتی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں تربیت نبوت اور لوگوں پر حلم کے منافی نہیں ہوتی اور خطاءً قتل کرنا یا ایسے وقت میں قتل کرنا جب کوئی شرعی حکم نہ ہو یہ نبوت کے منافی نہیں۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ میں تمہارے درمیان سے مدین کی طرف نکل گیا جس طرح سورۃ القصص میں ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ (القصص: 21) یہ قتل کے موقع پر ہوا تھا۔ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا حکم سے مراد نبوت ہے؛ یہ سدی وغیرہ سے مروی ہے۔ زجاج نے کہا: مراد تورات کی تعلیم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد علم اور فہم ہے۔

وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اس کلام کے معنی میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ سدی، طبری اور فراء نے کہا: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نعمت کا اقرار کیا گویا آپ کہتے ہیں: ہاں! تیری تربیت مجھ پر احسان ہے جب تو نے میرے سوا کسی کو غلام بنالیا اور مجھے چھوڑ دیا لیکن یہ میری رسالت کو ختم نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام انکار کے طریقہ پر ہے یعنی کیا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے چھوٹی عمر میں میری تربیت کی جب کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے اور انہیں قتل کیا ہے؟ یعنی یہ کوئی انعام نہیں، کیونکہ واجب یہ تھا کہ تو انہیں قتل نہ کرتا اور انہیں غلام نہ بناتا کیونکہ وہ میری قوم تھی تو تو مجھ پر خصوصی احسان کا کیسے ذکر کرتا ہے؟ کہا: یہ معنی قتادہ اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں کلمہ استفہام مقدر ہے، تقدیر کلام یہ ہے: او تلك نعمة۔ یہ اخفش اور فراء کا قول ہے۔ نحاس اور دوسرے علماء نے انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز نہیں کیونکہ الف استفہام معنی پیدا دیتا ہے اس کا حذف محال ہے مگر جب کلام میں ام ہو جس طرح شاعر نے کہا:

تَرُدُّمن الحق أم تَبْتَكِر، یہاں تردح سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر ہے۔

توقبیلہ سے پچھلے پہر جاتا ہے یا صبح جلدی جاتا ہے۔

اس بارے میں نحویوں کے درمیان کسی اختلاف سے آگاہ نہیں صرف فراء نے جو کلام کی ہے، اس نے کہا: افعال شک میں کلمہ استفہام کا حذف کرنا جائز ہے اور یہ حکایت بیان کی تُرَی زیدا منطلقا، اس سے مراد اَتُرَی ہے۔ علی بن سلیمان اس بارے میں کہا کرتے تھے: فراء نے اسے الفاظ عام سے لیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: فراء نے کہا جس نے یہ کہا: یہ انکار ہے اس نے کہا اس کا معنی ہے کیا وہ نعمت ہے؟ یہ استفہام کے طریقہ پر ہے جس طرح یہ فرمان ہے: هٰذَا رَبِّيْ (الانعام: 77) اور فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (الانبیاء)

شاعر نے کہا:

رَفَوْنِي وقالوا يا خُوَيلدُ لا تُرَعْ فقلتُ وأنكرتُ الوجوهَ هُمُ هُمُ

انہوں نے میرے خوف کو دور کیا انہوں نے کہا: اے خویلد! تجھے نہ ڈرایا جائے، میں نے کہا: اور میں وجوہ سے ناواقف تھا کیا یہ وہ ہیں۔

غزنوی نے الف کو ترک کرنے پر بطور دلیل یہ اشعار پڑھے:

لم أنس يوم الرحيل وِقفتَها وجفنها من دموعها شَرِقُ

وقولَها والركابُ واقفةٌ تركتني هكذا و تنطلقُ

میں کوچ کے روز اس کے ٹھہراؤ کو نہیں بھول سکتا جب کہ اس کی پلکیں اس کے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور اس کے قول کو نہیں بھول سکتا جب کہ اونٹ کھڑے تھے تو نے مجھے اس طرح چھوڑ دیا اور تو خود جا رہا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں استفہام کے الف کا حذف، ام کے بغیر ایسا امر ہے جو نحاس کے قول کے خلاف ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ کلام تبکیت کے طریقہ پر ہے، تبکیت استفہام اور استفہام کے بغیر ہوتا ہے۔ معنی ہے اگر تو بنی اسرائیل کو قتل نہ کرتا تو میرے والدین میری تربیت کرتے، تو مجھ پر تیرا احسان کہاں سے ہوا تو مجھ پر اسی چیز سے احسان جتلا رہا ہے جو احسان جتلانے کو واجب نہیں کرتا، ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تو مجھ پر کیسے تربیت کا احسان جتلاتا ہے جب کہ تو نے میری قوم کو ذلیل کر دیا ہے؟ جس نے اس کی قوم کو ذلیل کیا وہ ذلیل ہے۔ اَنْ عَبَّدْتَّ یہ محل رفع میں ہے یہ نعمۃ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل نصب میں ہو معنی ہو لأن عبدتَ بنی اسرائیل تو نے انہیں غلام بنا لیا۔ کہا جاتا ہے: عبّدته، أعبدته دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ فراء نے یہ قول کیا ہے اور یہ شعر پڑھا:

عَلامَ يُعبِدُنِي قومي وقد كَثُرت فيهم أباعِرُ ماشاءوا وعِبدانُ

میری قوم کس وجہ سے مجھے غلام بناتی ہے جب کہ ان میں اونٹوں کے بچے اور غلام کثیر تعداد میں ہیں جتنے وہ چاہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا

إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ
إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾
قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَ
نَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾
يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ
وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ
لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ
السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا
لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ
لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾
فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾
قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾
قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَنْ
كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

''فرعون نے پوچھا: کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا: (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے؟! آپ نے فرمایا: وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی فرعون بولا بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (معا) فرمایا: جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا: (یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ فرمایا: اگرچہ میں

لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا: پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدہا بن گیا اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والے کے لیے (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا: واقعی یہ ماہر جادوگر ہے، یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے: مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں ہرکارے تاکہ وہ لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونہ کونہ سے) تمام ماہر جادوگر الغرض جمع کر لیے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن اور کہہ دیا گیا لوگوں سے: کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لیے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آ جائیں جب حاضر ہوئے جادوگر تو انہوں نے فرعون سے پوچھا: کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا: ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انہیں فرمایا: پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا: ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے، پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے (برملا) کہہ دیا: ہم ایمان لائے رب العالمین پر، جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔ فرعون نے (خفت مٹانے کے لیے) کہا: تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دیتا یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا پس ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا: ہمیں اس کی پرواہ نہیں، ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لیے ہمارا رب ہماری خطائیں کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں''۔

**قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دلیل میں فرعون پر غالب آ گئے اور فرعون لعین نے تربیت اور دوسری چیزوں میں کوئی دلیل نہ پائی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاوضہ کے لیے آپ کے قول **رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے ایسا سوال کیا جو مجہول چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔ مکی اور دوسرے علماء نے کہا: جس طرح اجناس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ما کے ساتھ سوال کیا۔ مکی نے کہا: ایک اور جگہ من کے ساتھ بھی استفہام واقع ہوا ہے یہ اس کے مشابہ ہے کہ یہاں کئی مواطن ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مخلوقات میں سے ایسی صفات لائے جو اللہ تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں جن میں کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ فرعون نے جنس کے بارے پوچھا جب کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جنس نہیں کیونکہ اجناس حادث ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی جہالت سے آگاہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سوال سے صرف نظر کیا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر اسے آگاہ کیا جو سامع پر اس

چیز کو واضح کر رہی تھی کہ فرعون کو اس میں کوئی مشارکت حاصل نہیں۔ فرعون نے کہا: اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ اس نے یہ قول اغرا اور مقالہ کی سفاہت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کیونکہ قوم کا عقیدہ یہ تھا کہ فرعون ان کا رب ہے اور ان کا معبود ہے اس سے قبل فراعنہ بھی اسی طرح تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید وضاحت فرمائی رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ آپ ایک ایسی دلیل لائے جس کو وہ سمجھ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آباء تھے اور وہ فنا ہو گئے تو کوئی نہ کوئی مغیر ہے وہ اب ہیں جب کہ پہلے نہ تھے تو ضروری ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی ہو فرعون نے استخفاف کے طریقہ پر کہا: اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ یعنی جو میں سوال کرتا ہوں وہ اس کا جواب نہیں دیتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس قول کے ساتھ جواب دیا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ یعنی اس کا ملک تیرے ملک کی طرح نہیں کیونکہ تو ایک ملک کا بادشاہ ہوتا ہے تو دوسرے ملک میں تیرا حکم نہیں چلتا اور وہ مرجاتا ہے جس کے مرنے کو تو پسند نہیں کرتا، جس ذات نے مجھے بھیجا ہے وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ وَ مَا بَیْنَهُمَاؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام جان گئے تھے کہ اس کے سوال میں مقصود اس کی معرفت تھی جس کے بارے میں وہ سوال کر رہا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس چیز کے ساتھ جواب دیا جو آپ کی معرفت کا طریقہ تھا۔ جب فرعون دلیل قائم کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ بناوٹی غلبہ کی طرف لوٹ آیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قید کرنے کی دھمکی دی۔ اور اس نے یہ نہ کہا: اس پر کیا دلیل ہے کہ اس اللہ نے تجھے بھیجا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اعتراف ہوتا کہ وہاں اس کے علاوہ بھی الٰہ ہے۔ قید خانہ میں ڈالنے کی دھمکی میں ضعف ہے جو بات روایت کی جاتی ہے کہ اس کی قید قتل سے بھی سخت تھی جب وہ کسی کو قید خانہ میں ڈالتا اسے قید خانہ سے نہ نکالتا یہاں تک کہ وہ مرجاتا وہ خوفزدہ تھا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا امر تھا جس کے باعث فرعون کی دھمکی آپ کو خوفزدہ نہ کر سکی۔ قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر مہربانی کرتے ہوئے اور اس کے ایمان کا طمع کرتے ہوئے کہا: اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ جس کے ساتھ میری صداقت تجھ پر واضح ہو جائے۔ جب فرعون نے یہ سنا تو اسے طمع ہوئی وہ اس کے درمیان معاوضہ کا کوئی محل پائے۔ قَالَ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ سیبویہ کے نزدیک شرط جواب کی محتاج نہیں کیونکہ شرط سے پہلے جو کلام گزر چکی ہے وہ کافی ہے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے عصا پھینکا تو وہ وہ کچھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ اس کی وضاحت اور شرح سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا: لَا ضَیْرَ ہمیں دنیا کا عذاب پہنچے گا اس میں ہمارے لیے کوئی ضرر نہیں یعنی تیرا عذاب تو لمحہ بھر کے لیے ہوگا ہم اس پر صبر کر لیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مومن کی حیثیت میں ملاقات کریں گے۔ یہ چیز ان کی بصیرت اور ایمانی قوت پر دال ہے۔ امام مالک نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک فرعون کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور جادوگر ایک دن میں ایمان لے آئے۔ یہ کہا جاتا ہے: لا ضیر، لا ضور، لا ضر، لا ضرر، لا ضارورۃ سب ایک معنی میں ہیں، یہ ہروی کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

فإنك لا يَضُورُكَ بعدَ حَوْلٍ　أظبيٌ كان أُمُّكَ أَم حِمَارُ

سال کے بعد تجھے تکلیف نہ دے گا کیا تیری ماں ہرن تھی یا گدھی۔

محل استدلال لایضورك ہے۔

جوہری نے کہا: ضَارَہٗ یَضُورُہٗ، یضیرہ ضَیْرًا وَضُورًا یعنی اسے تکلیف پہنچائی۔ کسائی نے کہا: میں نے ایک کو کہتے ہوئے سنا لاینفعنی ذلك ولا یضورنی یہ چیز نہ مجھے نفع دیتی ہے اور نہ نقصان دیتی ہے۔ تضور سے مراد مار اور بھوک کے وقت چیخنا اور دوہرا ہونا ہے ضُورَۃٌ سے مراد ایسا مرد ہے جو حقیر ہو اور جس کا مرتبہ کم ہو۔

اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ارادہ کیا ہے کہ ہم اپنے رب کریم کی طرف پلٹنے والے ہیں اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ، اَن محل نصب میں ہے کیونکہ اصل میں یہ لان تھا۔ فراء نے ہمزہ کے نیچے کسرہ کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ مجازات کے طریقہ پر ہو۔ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ کا معنی ہے فرعون کی جانب سے آیت کے ظاہر ہونے کے وقت۔ فراء نے کہا: ہمارے زمانے کے مومنوں میں سے پہلا۔ زجاج نے اس کا انکار کیا۔ کہا: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ چھ لاکھ ستر ہزار لوگ ایمان لائے یہی وہ قلیل جماعت تھی جس کے بارے میں فرعون نے کہا تھا: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی
الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىٕظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ
اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾
كَذٰلِكَ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ
قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ
اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾
وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾

”اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں ہرکارے (تاکہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں اور انہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر دیا ہے (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں تو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات

سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے اشراق کے وقت پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے، آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری راہنمائی فرمائے گا سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو اور ہم نے بچالیا (ان تند موجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو، اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ جب اللہ تعالیٰ کی یہی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرماتا ہے جو اس کے اولیاء میں سے تصدیق کرنے والے ہوتے ہیں اور اس کے رسولوں اور انبیاء کی تصدیق کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کافروں کو ہلاک فرماتا ہے جو اس کے دشمنوں میں سے جھٹلانے والے ہوتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو رات کے وقت نکالے۔ انہیں اپنے بندہ ہونے کا نام دیا کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ کا معنی ہے فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کرے گی تاکہ تمہیں واپس لے جائیں۔ اس کلام کے ضمن میں ان کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نجات عطا فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو سحری کے وقت لے کر نکلے شام کی طرف جانے والا راستہ اپنے بائیں ہاتھ رکھا اور سمندر کی طرف منہ کیا بنی اسرائیل کا کوئی شخص آپ کو راستہ چھوڑنے کا کہتا تو آپ فرماتے: اسی طرح مجھے حکم دیا گیا۔ جب فرعون نے صبح کی اور اسے علم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے کر چلے گئے ہیں تو وہ ان کے پیچھے چلا۔ اس نے مصر کے شہروں کی طرف پیغام بھیجا کہ لشکر اس سے آملیں۔ یہ روایت بیان کی گئی کہ وہ پیچھے سے آکر ملا جب کہ اس کے ساتھ ایک لاکھ سیاہ گھوڑوں پر لشکر تھا اس کے علاوہ ہر قسم کی فوج تھی۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ اللہ تعالیٰ صحیح جانتا ہے۔

اس آیت سے جو بات لازم آتی ہے اور جو بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی عظیم جمعیت کے ساتھ نکلے اور فرعون نے ان سے کئی گنا لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرعون کے ساتھ ایک ہزار جابر حکمران تھے سب کے سر پر تاج تھا اور ہر ایک گھڑسوار لشکر کا امیر تھا (1)۔ لَشِرْذِمَةٌ سے مراد لوگوں میں سے ایک طائفہ اور شے کا قطعہ ہے۔ ثوب شراذم کپڑے کے ٹکڑے۔ ثعلبی نے راجز کے شعر کا ذکر کیا:

جاء الشتاءُ وثيابي أخلاقُ شراذمٌ يضحكُ منها النَّوّاقُ

موسم سرما آگیا اور میرے کپڑے بوسیدہ ٹکڑے ٹکڑے ہیں ان سے نواق ہنستا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232

لوگوں میں نواق انہیں کہتے ہیں جو امور کا جائزہ لیتا ہے اور انہیں درست کرتا ہے، یہ صحاح میں کہا ہے۔ لَشِرْذِمَةٌ میں لام تاکید یہ ہے اکثر یہ ان کی خبر پر داخل ہوتا ہے مگر کوفی أن زیدا لسوف یقوم کو جائز نہیں سمجھتے اس کے جائز ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یہ لام تاکید ہے جو سوف پر داخل ہوا ہے؛ یہ نحاس نے قول کیا ہے۔

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىِٕظُوْنَ وہ ہمارے دشمن ہیں کیونکہ وہ ہمارے دین کے مخالف ہیں اور ہمارے وہ اموال لے کر بھاگ جانے والے ہیں جو انہوں نے ہم سے ادھار لیے تھے۔ جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے اس رات ان کے نوجوان مر گئے تھے یہ بحث سورۃ الاعراف اور سورۂ طٰہٰ میں مفصل گزر چکی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: غاظنی کذا وأغاظنی، غیظ کا معنی غضب ہے اسی سے تغیظ اور اغتیاظ ہے بغیر اجازت کے نکل کر انہوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے (1)۔

وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ہم سب مجتمع اور مستعد ہیں، ہم نے اپنا اسلحہ لے لیا ہے۔ اسے حاذرون بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی بھی حٰذِرُوْنَ ہے یعنی خوف زدہ ہیں۔ جوہری نے کہا: وانا لجمیع حاذرون وحذِرون وحذُرون۔ یعنی ذال کے ضمہ کے ساتھ؛ اسے اخفش نے بیان کیا ہے۔ حاذرون کا معنی ہے ہم تیاری کرنے والے ہیں۔ حذرون کا معنی ہے ڈرنے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: حذرون مدینہ طیبہ کے قراء اور ابو عمر کی قراءت ہے اہل کوفہ کی قراءت حاذرون ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معروف ہے حادرون دال بے نقطہ؛ یہ ابی عباد کی قراءت ہے۔ مہدوی نے یہ ابن ابی عمار سے بیان کی ہے ماوردی اور ثعلبی نے سمیط بن عجلان سے نقل کی ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ حذرون اور حاذرون کا معنی ایک ہی ہے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے اور اس کو جائز قرار دیا ھو حذِرٌ زیدا جس طرح کہا جاتا ہے: حاذر زیدا یہ شعر پڑھا:

حَذِرٌ أُمورًا لا تَضِیرُ و آمِنٌ مالیس مُنْجِیَهٗ من الأقدارِ

وہ ایسے امور سے ڈرنے والا ہے جو نقصان نہیں دیتے اور ایسی اقدار سے بے خوف ہے جو نجات دینے والی نہیں۔

ابو عمر جرمی نے گمان کیا کہ یہ جملہ کہنا جائز ہے: ھو حذِرٌ زیدا یہاں سے من حذف ہے اکثر نحوی حذر اور حاذر میں فرق کرتے ہیں؛ ان میں کسائی، فراء اور محمد بن زید ہے؛ وہ اس طرف گئے ہیں کہ حذر کا معنی فی خلقتہ الحذر ہے وہ بیدار اور متنبہ ہے جب اس طرح ہے تو وہ متعدی نہیں ہوتا۔ حاذر کا معنی مستعد ہے متقدمین سے یہی تفسیر آئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: ہم سب کے پاس اسلحہ ہے اور گھوڑے ہیں۔ یہ بھی وہی معنی ہے جو مقودون کا معنی ہے ان کے پاس اسلحہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہمارے پاس اسلحہ ہے جب کہ بنی اسرائیل کے پاس اسلحہ نہیں جو انہیں قتال پر برانگیختہ کرے جہاں تک حادرون کا تعلق ہے یہ ان کے قول عین حدرۃ سے مشتق ہے یعنی چشمہ بھرا ہوا ہے یعنی ہم ان پر غصہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسی معنی میں یہ قول ہے:

1۔ تفسیر بغوی

وعین لها حذرۃ بدرۃ شُقَّتْ مأ قیهما مِنْ أُخُرٖ

اہل لغت نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجل حادر جب وہ بھرے گوشت والا ہو یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہو اسلحہ سے بھرا ہوا۔ مہدوی نے کہا: حادر سے مراد قوی اور شدید ہے۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ مراد مصر کا علاقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نیل کے دونوں کناروں پر اسوامی سے رشید تک باغات تھے اور باغات کے درمیان کھیتیاں تھیں نیل سات خلیجیں (ندیاں) تھیں، خلیج اسکندریہ، خلیج سخا، خلیج دمیاط، خلیج سردوس، خلیج منف، خلیج فیوم، خلیج المنہی (1)۔ یہ سب متصل تھیں ان میں سے کوئی دوسرے سے منقطع نہ تھیں کھتیاں سب خلیجوں کے درمیان تھیں۔ مصر کی تمام زمین سولہ ہاتھ (بلند پانی) سے سیراب ہو جاتی تھی جو انہوں نے بڑے، چھوٹے پلوں اور ندیوں کے ذریعے تدبیر کی تھی اور انہوں نے جو اندازہ لگایا تھا اسی وجہ سے جب نیل کو سولہ ہاتھ پر بند کیا جاتا تو اسے نیل سلطان کا نام دیا جاتا اور اسے ابن ابی رداد کے اندازے پر چھوڑا جاتا یہ حالت آج تک جاری ہے۔ اسے نیل سلطان کا نام اس لیے دیا کیونکہ اس وقت لوگوں پر خراج واجب ہوتا جب نیل کی سطح سترہ ہاتھ ہو جاتی تو مصر کی تمام زمین ایک انگلی بھر سطح سے سیراب ہو جاتی جب نیل کا پانی سترہ ہاتھ پر بند کیا جاتا اور اٹھارویں ہاتھ سے ایک انگلی بلند ہوتا تو خراج میں دس لاکھ دینار کا اضافہ ہو جاتا اور جب وہ اس حد سے نکلتا اور انیس ہاتھ سے بڑھ جاتا تو اس کا خراج دس لاکھ دینار کم ہو جاتا اس کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ خراج مصالح، ندیوں، پلوں اور ان کی تعمیر میں خرچ ہو جاتا۔ جہاں تک موجودہ صورتحال کا تعلق ہے تو اکثر زمین سیراب نہیں کی جاتی یہاں تک کہ مصر کے پیمانہ کے مطابق پانی انیسویں ہاتھ کی انگلی برابر پانی بلند ہو۔ جہاں تک صعید اعلیٰ کے علاقے ہیں تو ان کی سیرابی اس وقت تک نہیں ہوتی یہاں تک کہ پانی بائیس ہاتھ نہ ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: مصر کی زمین اس وقت سیراب ہوتی ہے جب پانی بیس ہاتھ اور کچھ انگلیاں اوپر ہو جائے، کیونکہ زمین اونچی ہو گئی ہے اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کا اہتمام نہیں۔ یہ دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ یہ تعجب اور بڑھ جاتا ہے جب تمام علاقہ میں پانی بہتا ہے یہاں تک کہ مصر کے تمام علاقہ میں سیلاب ہوتا ہے تو شہر پہاڑ کی طرح ہوتے ہیں جن تک کشتیوں کے ذریعے ہی پہنچا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے: مصر کا نیل تمام دریاؤں کا سردار ہے اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب میں ہر دریا اس کے لیے مسخر کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نہروں کو مسخر کر دیا ہے جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ مصر کے نیل کو جاری کرے تو یہ دریا کو حکم دیتا ہے کہ اس کی مدد کرے تو دریا اپنے پانیوں کے ساتھ اس کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے چشموں کو کھول دیتا ہے جب وہ اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر پانی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے۔

قیس بن حجاج نے کہا: جب مصر فتح ہو گیا تو اس کے مکین حضرت عمرو بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوئے جب قبطیوں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232

کے مہینوں میں سے بونہ داخل ہوا انہوں نے حضرت عمرو بن عاص سے عرض کی: اے امیر! ہمارے اس نیل کی ایک سنت ہے وہ اس کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے ان سے پوچھا: وہ سنت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جب اس ماہ کی بارہویں رات گزر جاتی ہے تو ہم ایک دوشیزہ کا قصد کرتے ہیں ہم اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں، ہم اسے بہترین زیورات اور بہترین کپڑے پہناتے ہیں پھر ہم اسے اس نیل میں پھینک دیتے ہیں۔ حضرت عمرو نے فرمایا: اسلام میں یہ جائز نہیں اسلام پرانے دور کی رسومات کو مٹانے والا ہے۔ وہ لوگ وہاں رہے نہ نیل زیادہ چلتا نہ کم، ان لوگوں نے جلاوطنی کا ارادہ کرلیا۔ جب حضرت عمرو بن عاص نے یہ دیکھا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا جو کچھ تو نے کہا ہے وہ درست ہے اسلام ماقبل کی رسومات کو ختم کرنے والا ہے اور اب یہ نہیں ہوگا اور خط کے اندر ایک رقعہ بھیجا اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا میں نے خط کے اندر ایک رقعہ بھیجا ہے جب میرا خط تم تک پہنچے تو اسے نیل میں پھینک دینا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط حضرت عمرو بن عاص کو پہنچا تو انہوں نے وہ رقعہ لیا اور اسے کھولا تو اس میں یہ تحریر تھی: اللہ کے بندے امیر المومنین عمر کی جانب سے نیل کے نام امابعد! اگر تو اپنی جانب سے چلتا ہے تو نہ چل اگر اللہ تعالیٰ تجھے چلاتا ہے تو ہم اللہ واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمہیں چلائے، کہا: حضرت عمرو بن عاص نے صلیب سے ایک دن پہلے وہ رقعہ نیل میں پھینک دیا جب کہ اہل مصر نے جلاوطنی اور وہاں سے نکل جانے کی تیاری کرلی تھی کیونکہ ان کے مصالح نیل سے ہی وابستہ تھے۔ جب حضرت عمرو بن عاص نے وہ رقعہ نیل میں پھینکا صلیب کے دن ان لوگوں نے صبح کی جب کہ اللہ تعالیٰ نے ایک رات میں اسے سولہ ہاتھ بڑھا دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سال سے اہل مصر سے اس طریقہ کو ختم کردیا۔ کعب الاحبار نے کہا: چار دریا جنتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنہیں دنیا میں جاری فرمایا ہے سیحان، جیحان، نیل اور فرات۔ سیحان جنت میں پانی کا دریا ہے، جیحان جنت میں دودھ کا دریا ہے، نیل جنت میں شہد کا دریا ہے اور فرات جنت میں شراب کا دریا ہے۔ ابن لہیعہ نے کہا: دجلہ جنت میں دودھ کا دریا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سیحان، جیحان، نیل اور فرات تمام جنت کی نہریں ہیں''۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔ حدیث اسراء میں حضرت انس بن مالک، مالک بن صعصعہ جو انہیں کے قوم کے افراد میں سے تھے سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بیان کیا کہ آپ نے چار دریا دیکھے ان کی اصل سے دو ظاہر دریا نکلتے ہیں اور دو باطنی دریا نکلتے ہیں۔ میں نے عرض کی: اے جبریل! یہ دریا کون سے ہیں؟ فرمایا: جہاں تک دو باطنی دریاؤں کا تعلق ہے تو دو دریا جنت میں ہیں جہاں تک دو ظاہری دریاؤں کا تعلق ہے وہ نیل اور فرات ہیں''۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔

امام بخاری نے شریک کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''پس وہ آسمان دنیا میں دو دریا ہیں جو جاری ہوتے ہیں پوچھا: اے جبریل! یہ کون سے دریا ہیں؟ عرض کی: یہ نیل اور فرات ہے، پھر آپ آسمان میں تشریف لے گئے تو آپ ایک دریا پر تھے جس پر موتیوں اور زبرجد کا محل تھا آپ نے اپنا ہاتھ مارا تو وہ مرکب کستوری تھی۔ پوچھا: اے جبرئیل! یہ

کیا ہے؟ عرض کی: یہ وہی کوثر ہے جو تیرے رب نے تیرے لیے چھپا رکھی ہے"۔ حدیث کو ذکر کیا۔ جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ عیون سے مراد پانی کے چشمے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد سونے کے چشمے ہیں۔ سورۂ دخان میں ہے کَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مصر کے آغاز سے لے کر آخر تک دو پہاڑوں کے درمیان کھیتی باڑی کیا کرتے تھے سورۂ دخان میں وکنوز کا لفظ نہیں کنوز یہ کنز کی جمع ہے۔ سورۂ براءۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں اس سے مراد خزائن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دفائن ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد انہار ہیں، اس سے اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ چشمے ان پر مشتمل ہوتے ہیں۔

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد نے کہا: مقام کریم سے مراد منبر ہے۔ ہزار منبر ہزار جابر حکمرانوں کے لیے تھے جن پر بیٹھ کر وہ فرعون اور اس کی بادشاہت کی عظمت بیان کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد روسا اور امراء کی مجالس ہیں؛ اسے ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے، یہ پہلے قول کے قریب ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد اچھے مسکن ہیں۔ ابن لہیعہ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ مقام کریم سے مراد فیوم ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی مجالس میں سے ایک مجلس پر لکھا تھا لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اس کا نام کریمہ رکھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد گھوڑوں کے تھان (اصطبل) ہیں کیونکہ زعماء انہیں سامان جنگ اور زینت کے طور پر باندھتے ہیں اس وجہ سے ان کا مقام سب سے معزز جگہ بن گئی؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا۔ اظہر یہ ہے کہ مراد اچھے مسکن ہیں جن کے سبب سے کرامت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ لغت میں مقام سے مراد موضع ہے؛ یہ مصدر ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں مقام سے مراد موضع ہے یہ تیرے قول قام یقوم سے ماخوذ ہے اسی طرح مقامات اس کا واحد مقام ہے جس طرح شاعر نے کہا:

وفيهم مَقَامَاتٌ حِسَانٌ وجوهُهم وأنديةٌ ينتابُها القولُ والفعلُ

ان میں مقامات ہیں ان کے چہرے حسین ہیں اور مجلسیں ہیں جن میں قول اور فعل باری باری ہوتا ہے۔

مقام بھی مصدر ہے یہ قام یقوم کا مصدر ہے مقام ضمہ کے ساتھ اقام سے اسم ظرف ہے اس سے مصدر بھی اسی وزن پر آتا ہے۔

كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن جنات، عیون، کنوز اور مقام کریم کا ذکر کیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ورثہ کے طور پر دیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: بنی اسرائیل فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد مصر کی طرف لوٹے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں وراثت سے مراد وہ ہے جو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آل فرعون سے زیورات ادھار لیے تھے۔

میں کہتا ہوں: دونوں امور انہیں حاصل ہوئے، الحمد للہ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232 2۔ ایضاً مفہوم

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ فرعون اور اس کی قوم نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ سدی نے کہا: جب سورج روشن ہوا۔ قتادہ نے کہا: جب زمین روشنی سے روشن ہوگئی۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے شرقت الشمس جب وہ طلوع ہو اشرقت جب وہ روشن ہو جائے۔ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے میں کوئی دیری کی اس میں دو قول ہیں (۱) اس رات جوان کے نوجوان فوت ہوئے ان کو دفن کرنے میں مشغول ہو گئے تھے کیونکہ اس رات ان میں وبا پھیلی تھی۔ مُّشْرِقِيْنَ یہ قوم فرعون سے حال ہے (۲) بادل اور تاریکی ان پر سایہ فگن ہوگئی تھی انہوں نے کہا: ابھی رات ہے تاریکی ان سے نہ چھٹی یہاں تک کہ انہوں نے صبح کی۔ ابو عبیدہ نے کہا: فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ کا معنی ہے مشرق کی جانب ان کا پیچھا کیا۔ حضرت حسن بصری اور عمرو بن میمون نے کہا: فَاَتَّبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ تشدید اور الف فاصل کے ساتھ، یعنی مشرق کی جانب، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے شرق و غرب۔ جب وہ مشرق اور مغرب کی طرف چلے۔ کلام کا یہ معنی ہوگا ہم نے مقدر کیا کہ بنی اسرائیل ان کے وارث بنیں تو قوم فرعون نے بنی اسرائیل کا مشرق کی جانب پیچھا کیا تو وہ سب ہلاک ہو گئے اور بنی اسرائیل ان کے ملکوں کے وارث بن گئے۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ دونوں جمعیتیں بالمقابل ہوئیں یہ فریق اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ردیۃ سے تفاعل کا وزن ہے قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ دشمن ہمارے قریب آ گیا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ جماعت کی قرأت لَمُدْرَكُوْنَ ہے یہ ادرک سے مشتق ہے، اسی سے حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ (یونس: 90) ہے۔ عبید بن عمر، اعرج اور زہری نے کہا: المدرکون دال مشدد ہے یہ ادرک سے مشتق ہے۔ فراء نے کہا: حفر اور احتفر ایک ہی معنی میں ہیں اسی طرح لمدرکون اور لمدّرکون ایک معنی میں ہیں۔ نحاس نے کہا: نحوی جو حذاق ہیں کہتے ہیں وہ اس طرح نہیں ہے۔ مدرکون کہتے ہیں جن کو پیچھے سے آ کر ملا جائے۔ مدّرکون جن کو ملنے کی کوشش کی جائے، جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے کسبتُ یہ اصبتُ اور ظفرتُ کے معنی میں ہے اکتسبت یہ اجتہدت اور طلعت کے معنی میں ہے، یہ سیبویہ کے قول کا معنی ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جمعیت کو جا ملا اور ان کے قریب ہو گیا بنی اسرائیل نے مضبوط دشمن اور اپنے سامنے سمندر دیکھا تو ان کے گمانات خراب ہو گئے۔ انہوں نے توبیخ اور جفا کے انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے قول کو رد کر دیا، انہیں جھڑکا اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور کامیابی کا جو وعدہ کیا تھا وہ انہیں یاد دلایا۔ كَلَّا یعنی وہ تمہیں نہیں پکڑ سکتے۔ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ دشمن کے خلاف مدد کرنے میں میرا رب میرے ساتھ ہے۔ سَيَهْدِيْنِ وہ نجات کے راستہ کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا۔ جب بنی اسرائیل پر آزمائش عظیم ہوگئی اور انہوں نے ایسے لشکر دیکھے جن کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مارے اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متصل ہو اور جو فعل حضرت موسیٰ علیہ السلام کریں اس کے ساتھ متعلق ہو ورنہ عصا کا مارنا سمندر کو پھاڑنے والا نہیں اور نہ ہی بالذات اس میں مددگار ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختراع اس کے ساتھ ملی۔ سمندر کا یہ قصہ سورۂ بقرہ میں

گزر چکا ہے۔ جب سمندر پھٹا تو بنی اسرائیل کے قبائل کے برابر اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی بڑے بڑے پہاڑوں کی شکل میں رک گیا۔ طود سے مراد پہاڑ ہے۔ اسی معنی میں امرء القیس کا قول ہے۔

فبينا المرء في الاحياء طود رَماهُ الناس عن كَثَبٍ فمالا

آدمی قبائل میں پہاڑ تھا۔ اسود بن یعفر نے کہا:

حَلّوا بأنقرة يَسيلُ عليهم ماءُ الفراتِ يجئ من أطْوَادِ

وہ انقرہ میں اترے ان پر فرات کا پانی بہتا جو پہاڑوں سے آتا۔

الطواد یہ طود کی جمع ہے جس کا معنی پہاڑ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے لیے سمندر میں خشک راستہ بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نکل گئے اور فرعون کے ساتھی سارے کے سارے اس میں داخل ہو گئے جس طرح سورۂ یونس میں گزرا ہے تو پانی رواں ہو گیا اور فرعون غرق ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی نے کہا: فرعون جو نہی غرق ہوا تو اس کو سمندر کے کنارے پھینک دیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے اسے دیکھا۔

ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے تاجروں میں سے دو آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف نکلے جب وہ سمندر تک پہنچے دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسے حکم دیا؟ فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ میں سمندر پر اپنا عصا ماروں تو وہ پھٹ جائے گا۔ دونوں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے جو حکم دیا اس طرح کیجئے اللہ تعالیٰ تجھ سے وعدہ خلافی نہیں فرمائے گا۔ پھر ان دونوں نے تصدیق کی خاطر اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا سمندر اسی طرح رہا یہاں تک کہ فرعون اور اس کے ساتھی اس میں داخل ہو گئے، پھر وہ سمندر اسی طرح ہو گیا جس طرح وہ تھا سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے، یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا۔ شاعر نے کہا:

وكلُّ يوم مَضَى أو ليلةٍ سلَفَتْ فيها النفوسُ إلى الآجال تَزْدَلِفُ

ہر دن یا رات جو گزر گئے ہیں ان میں نفوس اپنی آجال تک جمع ہوتے رہیں گے۔

ابو عبیدہ نے کہا ازلفنا ہم کو جمع کیا۔ اسی وجہ سے مزدلفہ کی رات کو لیلۃ جمع کہتے ہیں۔ ابو عبداللہ بن حرث، ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قراءت کی وازلقنا یعنی یہ قاف کے ساتھ ہے معنی ہے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا(1)۔ اسی سے یہ جملے بولے جاتے ہیں أزلقت الناقة، أزلقت الفرس فهي مزلق۔ جب وہ اپنے بچے کو پھینک دے۔ وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۟ۚ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ، آخرین سے مراد فرعون اور اس کی قوم ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر علامت ہے۔

وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کیونکہ قوم فرعون میں سے آل فرعون کے مومن کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا تھا اس کا نام حزقیل تھا اس کی بیٹی حضرت آسیہ تھی جو فرعون کی بیوی تھی اور اس کی بیٹی مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی وہ بوڑھی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 233

عورت تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر آگاہ کیا تھا اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو چاند ان پر تاریک ہوگیا۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: یہ کیا ہوا؟ ان کے علماء نے بتایا: جب حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو آپ نے ہم سے پختہ وعدہ لیا کہ ہم مصر سے نہ نکلیں یہاں تک کہ ہم آپ کی ہڈیاں یہاں سے اپنے ساتھ منتقل کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون ان کی قبر کو جانتا ہے؟ بتایا بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے اس کی طرف پیغام بھیجا فرمایا: مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہ کروں گی یہاں تک کہ تو میری بات مانے۔ فرمایا: تیرا حکم و بات کیا ہے؟ اس نے عرض کی: میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں جنت میں تیرے ساتھ رہوں۔ یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناگوار ہوا۔ آپ سے عرض کی گئی: اس کے فیصلہ کو مان لو۔ اس بوڑھی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر ان کی راہنمائی کر دی لوگوں نے اس کی قبر کو کھودا، اس کی ہڈیاں نکالیں جب ان ہڈیوں کو اٹھالیا تو راستہ یوں ہوگیا جس طرح روشن دن ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی کہ اس کو وعدہ دے دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرلیا وہ عورت بنی اسرائیل کو بحیرہ پر لے آئے۔ اس عورت نے لوگوں کو کہا: یہ پانی خشک کرو، انہوں نے پانی خشک کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں نکال لیں، تو ان کے لیے راستہ دن کی طرح روشن ہوگیا۔ یہ بحث سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے۔ ابو بردہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کے پاس فروکش ہوئے اس نے آپ کی تکریم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کوئی خدمت؟'' اس نے عرض کی: ایک اونٹنی جس پر میں سواری کروں اور ایک بکری جسے میں دوہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو بنی اسرائیل کی بوڑھی کی مثل ہونے سے کیوں عاجز آگیا؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کی: بنی اسرائیل کی بوڑھیا کا کیا معاملہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بوڑھی عورت کا ذکر کیا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پختہ وعدہ لیا کہ جنت میں وہ ان کے ساتھ ہوگی (1)۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

''آپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ جب آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 439، دار الکتب العلمیہ

ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے (لاجواب ہوکر) کہا: بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا: کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو تم اور تمہارے گزشتہ آباء واجداد پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے''۔

**وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ** مشرکوں کو ان کی انتہائی جہالت پر آگاہ کیا کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعتقاد و دین سے اعراض کرنے والے تھے جب کہ وہ ان کے جداعلیٰ تھے۔ نَبَاَ کا معنی خبر ہے یعنی اے محمد! ان پر اس کی خبر، اس کی گفتگو اور قوم جن کی عبادت کرتی تھی اس پر عیب لگانے کو بیان کر دیجئے۔ یہ اس لیے فرمایا تا کہ ان پر حجت لازم کر دی جائے۔ جمہور قراء دوسرے ہمزے میں تخفیف کرتے ہیں، یہ بہترین توجیہ ہے، کیونکہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک کلمہ میں دوسرے ہمزہ میں تخفیف کرتے ہیں جس طرح آدم۔ اگر تو چاہے تو دونوں کو ثابت رکھ اور تو کہے نَبَأَ اِبْرٰهِيْمَ اگر تو چاہے تو دونوں میں تخفیف کرلے تو کہہ لے نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ، اگر چاہے تو پہلے میں تخفیف کرلے۔ وہاں پانچویں توجیہ بھی ہے مگر یہ عربی میں بعید ہے کہ ہمزہ کو ہمزہ میں مدغم کر دیا جائے جس طرح جو آدمی سر بیچتا ہے اسے رأاس کہتے ہیں۔ یہ تعبیر بعید ہے کیونکہ تو دو ہمزوں کو جمع کر رہا ہے گو یا وہ ایک کلمہ میں ہیں، فعال کے وزن میں یہ اچھا ہے کیونکہ وہ مدغم میں آتا ہے۔

**اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ** یعنی تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ **قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا** ان کے بت سونے، چاندی، پیتل، لوہے اور لکڑی کے ہوتے تھے۔

**فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ** ہم ان کی عبادت پر قائم رہیں گے مراد وقت معین نہیں بلکہ جس کام میں وہ مصروف تھے اس کی خبر دی جا رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دن کو عبادت کرتے تھے رات کو عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ رات کے وقت ستاروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ظل يفعل كذا۔ جب وہ دن کو کام کرے۔ بات يفعل كذا۔ جب رات کو کوئی عمل کرے۔ **قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ** اخفش نے کہا: اس میں حذف ہے معنی ہے کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ یا کیا وہ تمہاری دعا سنتے ہیں؟ یعنی تقدیر کلام یہ ہے هل يسمعون دعاء كم۔ شاعر نے کہا:

القائد الخَيْلَ مَنْكُوبًا دَوابِرُهَا قد أُحْكِمَتْ حَكَمَاتِ القِدِّ والأَبَقَا

کہا أبق سے مراد کتان (السی کا پودا) ہے یہاں حذف ہے اصل ہے أحكمت حكمات الأبق۔ صحاح میں ہے ابق جب حرکت کے ساتھ ہو تو اس سے مراد قِنَّب (ایک درخت جس کی چھال سے رسی بنائی جاتی ہے)۔ قتادہ سے مروی ہے انہوں نے قراءت کی هل يُسْمِعُونكم یاء پر ضمہ ہے یعنی کیا وہ تمہیں اپنی آوازیں سناتے ہیں؟

**اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ** کیا یہ بت تمہیں نفع پہنچاتے ہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں یا اگر تم نافرمانی کرو تو تمہارے لیے خیر اور شر کے مالک ہیں؟ یہ استفہام حجت ثابت کرنے کے لیے ہے جب وہ تمہیں نفع اور نقصان نہیں دے سکتے تو پھر تمہارا ان کی عبادت کا کیا مقصد ہے؟

**قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ** وہ حجت اور دلیل کے بغیر تقلید کی طرف پھر گئے؛ اس کے بارے میں گفتگو

پہلے گزر چکی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۙ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ۔ قَالَ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں مَا سے مراد یہ بت ہیں۔ الْاَقْدَمُوْنَ سے مراد پہلے ہیں۔ عدو واحد کا صیغہ ہے جماعت کا معنی دیتا ہے اسی طرح عورت کے لیے کہا جاتا ہے: ھی عدو الله و عدوۃ الله۔ فراء نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: جس نے عدوۃ الله کہا اور ھاء کو ثابت رکھا تو اس نے کہا یہ معادیۃ کے معنی میں ہے۔ جس نے مونث اور جمع کے لیے عدو کا لفظ ذکر کیا اس نے اسے نسبت کے معنی میں لیا اور جماد کی صفت عداوت سے لگائی معنی ہوگا اگر میں نے ان کی عبادت کی تو یہ قیامت کے روز میرے دشمن ہوں گے، جس طرح فرمایا: كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم) فراء نے کہا: یہ مقلوب میں سے ہے اس کا معنی ہوگا میں ان کا دشمن ہوں کیونکہ تو جس سے دشمنی کرے وہ تجھ سے دشمنی کرے گا۔ پھر فرمایا: اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ کلبی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے الا من عند رب العالمین، إلا عابد رب العالمین مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: نحویوں نے کہا یہ اوّل سے مستثنیٰ نہیں۔ ابو اسحاق نے اجازت دی کہ یہ اوّل کلام سے مستثنیٰ ہو اس معنی پر کہ وہ الله تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور اس کے ساتھ بتوں کی عبادت کرتے تھے الله تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ الله تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس کی وہ عبادت کرتے ہیں الله تعالیٰ ان سے مبرا ہے۔ فراء نے اس کی تاویل صرف اصنام سے کی ہے اس کے نزدیک معنی ہے اگر میں ان کی عبادت کروں تو قیامت کے روز وہ میرے دشمن ہوں گے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ جرجانی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے أفرایتم ما کنتم تعبدون أنتم و آباء کم الأقدمون إلا رب العالمین فإنهم عدولی۔ اور یہ سویٰ اور دون کے معنی میں ہے، جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (الدخان: 56) یہاں بھی اِلَّا، دون کے معنی میں ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۙ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۙ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۙ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ

"جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا روز جزا کو"۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ یعنی دین کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے۔ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ یعنی وہ مجھے رزق دیتا ہے هُوَ ضمیر کا دخول اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی کھلاتا ہے اور نہ پلاتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: زید ھو الذی فعل کذا یعنی زید کے علاوہ کسی نے ایسا عمل نہیں کیا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ حضرت ابراہیم نے مَرِضْتُ ادب کی رعایت کرتے ہوئے کہا ورنہ مرض اور شفا الله تعالیٰ کی جانب سے ہے اس کی مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کا قول ہے

وَ مَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (الکہف:63)

وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ احیاء سے مراد بعث ہے وہ موت کو اسباب کی طرف منسوب کرتے اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی موت اور زندگی عطا کرتی ہے۔ سب (یھدین اور یشفین) یاء متکلم کے بغیر ہیں کیونکہ آیات کے سروں کا حذف اچھا ہے تاکہ سب متفق ہو جائیں۔ ابن ابی اسحاق نے اپنی جلالت اور لغت عربی میں اپنے مقام کے اعتبار سے سب میں یاء متکلم پڑھی ہے کیونکہ یاء اسم ہے نون علت کی وجہ سے داخل ہوئی۔ اگر یہ سوال کیا جائے یہ تو تمام مخلوق کی صفت ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کیسے ہدایت پر دلیل بنایا ہے اور کسی غیر نے اس سے ہدایت نہ پائی؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے ذکر کیا تاکہ طاعت کے وجوب پر استدلال کریں کیونکہ جو انعام کرے ضروری ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے تاکہ اس نے جس چیز کو خود پر لازم کیا ہے وہ بھی اس پر لازم ہو جائے۔ یہ صحیح الزامی دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اہل اشارات نے پوشیدہ معانی مراد لیے ہیں، جو ہم نے معانی ذکر کیے ہیں ان سے عدول کیا ہے بداہت عقل جس کا انکار کرتی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد ہے۔ کہا: وَ الَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ وہ مجھے ایمان کی لذت چکھاتا ہے اور قبول کی حلاوت پلاتا ہے ان کے نزدیک وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ میں دو وجوہ ہیں (۱) جب میں اس کی مخالفت کے ساتھ مریض ہوتا ہوں تو وہ اپنی رحمت کے ساتھ مجھے شفا دیتا ہے (۲) جب میں مخلوق کی سختی کے ساتھ مریض ہوتا ہوں تو مشاہدہ حق کے ساتھ مجھے شفا عطا کرتا ہے۔ امام جعفر بن محمد صادق نے کہا: جب میں گناہوں کے ساتھ مریض ہوتا ہوں تو وہ توبہ کے ساتھ مجھے شفا عطا کرتا ہے (1)۔ انہوں نے وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ کی تین وجوہ بیان کی ہیں۔ (۱) جو معاصی کے ساتھ موت عطا کرتا ہے طاعات کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۲) خوف کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے رجا کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۳) طمع کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے اور قناعت کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے۔ (۴) وہ عدل کے ساتھ موت عطا کرتا ہے اور فضل کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۵) فراق کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے اور ملاقات کے ساتھ مجھے زندہ کرتا ہے (۶) جہالت کے ساتھ مجھے موت عطا کرتا ہے اور عقل عطا فرما کر زندہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جو آیت کی مراد نہیں۔ یہ مخفی تاویلات اور باطنی امور اس آدمی کے لیے ہیں جو حاذق ہو اور حق کو پہچانتا ہو، جو حق سے اندھا ہو اور حق کو نہ پہچانتا ہو تو اس کے لیے امور باطنہ کی طرف کیسے اشارہ کیا جا سکتا ہے اور ظاہر امور کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ یہ محال ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ الَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ، اَطْمَعُ کا معنی ہے میں امید کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آپ کے حق میں یقین کے معنی میں ہے اور آپ کے علاوہ تمام مومنوں کے حق میں رجا کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن ابی اسحاق نے خطایای قراءت کی ہے کہا: یہ ایک خطا نہیں۔ نحاس نے کہا: خطیئة کلام عرب میں خطایا میں معروف ہے۔ علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ (الملک:11) میں واحد پر اتفاق کیا ہے اس کا معنی ذنوب ہے۔ اسی طرح وَ

1۔ نوادر الاصول، جلد 4، صفحہ 235

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (البقرہ:43) اس کا معنی الصلوات ہے اسی طرح خطیئتی ہے یہ خطایا کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجاہد نے کہا: خطیئۃ سے آپ کا یہ قول ہے بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء:63) اوران کا قول: اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ (الصافات) اوران کا قول: سارہ ان کی بہن ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس کا اضافہ کیا ہے کہ ان کا قول جو ستاروں کے بارے میں ہے هذا ربی یہ میرا رب ہے، اس کی مفصل وضاحت گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: انبیاء بشر ہیں یہ جائز ہے کہ ان سے خطا واقع ہو ہاں کبیرہ گناہ جائز نہیں کیونکہ وہ کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں۔ يَوْمَ الدِّيْنِ، یوم جزا؛ جہاں بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب سے اظہار عبودیت ہے اگرچہ آپ کو علم تھا کہ آپ بخشے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ابن جدعان دور جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا کیا یہ امر اس کے لیے نافع ہوگا؟ فرمایا: ''اسے نفع نہ دے گا کیونکہ اس نے اس وقت نہیں کہا تھا رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین اے میرے رب قیامت کے روز میرے گناہ بخش دینا'' (1)۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ اجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَ اغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَ لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝

''اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم و عمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں اور بخش دے میرے باپ کو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم''۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ حکم سے مراد تیری، تیری حدود اور تیرے احکام کی معرفت ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ مقاتل نے کہا: مراد فہم اور علم ہے؛ یہ بھی پہلی تعبیر کی طرف راجع ہے۔ کلبی نے کہا: مراد نبوت اور مخلوق کی طرف رسالت ہے۔ وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ مجھ سے قبل جو انبیاء ہو گزرے ہیں درجہ میں ان کے ساتھ لاحق کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بِالصّٰلِحِيْنَ سے مراد اہل جنت ہیں یہ هَبْ لِيْ حُكْمًا کی تاکید ہے۔

وَ اجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام امتوں کا اس پر مجتمع ہونا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اچھی تعریف ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ثناء، ہمیشہ کے لیے اچھا مقام و مرتبہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا۔ ہر امت آپ سے تمسک کرتی ہے اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لاینفعہ عمل، جلد 1، صفحہ 115، قدیمی کتب خانہ

آپ کی عظمت بیان کرتی ہے وہ اسی دین حنیف پر تھے جسے حضرت محمد ﷺ لائے۔ مکی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال کرنا ہے کہ آپ کی اولاد میں آخر زمانہ میں وہ افراد ہوں جو حق کو قائم کریں تو حضرت محمد ﷺ کی صورت میں آپ کی دعا قبول کی گئی (1)۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اچھا معنی ہے مگر آیت کا لفظ یہ معنی عطا نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ لفظ پر اپنی مرضی سے حکم لگایا جائے۔ قشیری نے کہا: مراد قیامت تک اچھی دعا ہے کیونکہ ثواب کی زیادتی ہر ایک کے حق میں مطلوب ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کیونکہ کوئی فرد بھی جو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود پیش کرتا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود پڑھتا ہے، خصوصاً نمازوں میں درود پڑھتا ہے اور منبروں پر بیٹھ کر بھی درود پڑھا جاتا ہے جو تمام حالات سے افضل اور تمام درجات سے افضل ہے۔ صلاۃ سے مراد رحمت کی دعا ہے لسان سے مراد قول ہے اس کا اصل معنی زبان ہے۔ قتبی نے کہا: لسان کا لفظ قول کی جگہ استعارہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ بعض اوقات عرب اس لفظ کو کلمہ کی جگہ کنایہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اعشی نے کہا:

إِنِّي أَتَتْنِي لِسَانٌ لَا أُسَرُّ بِهَا مِنْ عَلْوُ لَا عَجَبٌ وَلَا سَخَرُ

جوہری نے کہا: علو کا لفظ واؤ کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے یعنی مجھے اوپر سے خبر پہنچی جس سے میں خوش نہیں ہوتا نہ تعجب ہے اور نہ ہی مذاق ہے۔ أتتني میں تانیث کلمہ کی وجہ سے ہے۔ اس تک اس کے بھائی منتشر کے قتل کی خبر پہنچی تھی۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک انسان اس کو پسند کرے کہ صالح کی حیثیت سے اس کی تعریف کی جائے اور صالحین کے عمل میں اس کو دیکھا جائے؛ جب وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ (سورہ طہٰ: 39) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم) یعنی اپنے بندوں کے دلوں میں محبت اور اچھی تعریف ڈال دے پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ اس پر متنبہ فرمایا: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ کہ جو چیز ذکر جمیل کا وارث بنائے اس کو حاصل کرنا مستحب ہے۔ لیث بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد دوسری زندگی ہے۔ یہ کہا گیا:

قد مات قوم وهم في الناس أحياء

لوگ مر گئے جب کہ وہ لوگوں میں زندہ ہیں۔

ابن عربی نے کہا: زید کے شیوخ میں سے محققین نے کہا: اس سے ایسے عمل صالح پر ترغیب ہے جو اچھی تعریف کا باعث ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل منقطع نہیں ہوتے (2)''

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 235

2۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، جلد 2، صفحہ 41، قدیمی کتب خانہ

ایک روایت میں ہے اسی طرح درخت لگاتا اور کھیتی کاشت کرتا ہے اسی طرح وہ شخص جو سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو اس کا عمل قیامت تک لکھا جاتا رہتا ہے؛ ہم نے اس کی وضاحت سورۂ رعد کے آخر میں بیان کی ہے۔ الحمد للہ

**وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ** جنت اور جو جنت کا وارث بنے اس کی دعا ہے، یہ ارشاد ان بعض لوگوں کا رد کرتا ہے جو یہ کہتا ہے: میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور نہ جہنم سے بچنے کا سوال کرتا ہوں۔

**وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ** ان کے باپ نے ظاہر میں وعدہ کیا تھا کہ وہ ایمان لے آئے گا تو آپ نے اس کے حق میں مغفرت کی التجا کی جب یہ واضح ہو گیا کہ اس نے جو کہا اس کو پورا نہ کیا تو اس سے براءت کر لی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے **الضَّالِّينَ** سے مراد مشرک ہے اور **كَانَ** زائدہ **وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ** یعنی لوگوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا یا مجھے قیامت کے روز عذاب نہ دینا۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ کو قیامت کے روز دیکھیں گے جب کہ ان پر غبار ہو گا'' غبرہ ہی قترہ ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے وہ عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا کہ تو مجھے قیامت کے روز غمگین نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے(1)''۔ امام بخاری ان دونوں روایات کو روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

**يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ** یوم، پہلے یوم سے بدل ہے یعنی جس روز مال اور بیٹے کسی کو کوئی نفع نہ دیں گے۔ یہاں **بَنُونَ** سے مراد مددگار ہیں کیونکہ جب بیٹا نفع نہیں دیتا تو اور کب نفع دے گا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیٹوں کا ذکر کیا کیونکہ حضرت ابراہیم کے والد کا ذکر گزر چکا ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے کچھ نفع نہ دیں گے۔

**إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ** یہ الکافرین سے مستثنیٰ ہے یعنی اس کا مال اور اس کے بیٹے اسے نفع نہ دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ غیر جنس سے استثناء ہے۔ معنی ہو گا لیکن جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آیا تو اسے نفع دے گا۔ قلب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ جس کا دل سلیم ہو تو اس کے اعضاء بھی سلیم ہو جاتے ہیں اور جب وہ فاسد ہو جائے تو باقی اعضاء بھی فاسد ہو جاتے ہیں؛ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ قلب سلیم کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شک اور شرک سے پاک ہے جہاں تک گناہوں کا تعلق ہے کوئی بھی ان سے محفوظ نہیں؛ یہ قتادہ، ابن زید اور اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: قلب سلیم سے مراد صحیح ہے یہ مومن کا دل ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ** (البقرہ:10) ابو عثمان نیساپوری نے کہا: اس سے مراد وہ دل ہے جو بدعت سے خالی ہو اور سنت پر مطمئن ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مال اور بیٹوں کی آفت سے محفوظ ہو۔ جنید نے کہا: لغت میں سلیم اسے کہتے ہیں جسے کسی چیز نے ڈسا ہو(2)۔ اس کا معنی ہے وہ ایسا دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈسے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا، جلد 1، صفحہ 473، وزارت تعلیم

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 235

ہوئے انسان کی طرح ہے۔ ضحاک نے کہا: سلیم سے مراد خالص ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اپنے عموم کی وجہ سے مختلف اقوال کو جامع ہے یہ اچھا قول ہے یعنی یہ دل اوصاف ذمیمہ سے پاک اور اوصاف جمیلہ سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عروہ سے مروی ہے فرمایا: اے میرے بیٹو! لعنت کرنے والے نہ بنو کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی بھی لعنت نہ کی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (صافات)

محمد بن سیرین نے کہا: قلب سلیم یہ ہے کہ وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور قیامت قائم ہونے والی ہے اور قبروں میں جو بھی ہیں سب کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں اقوام داخل ہوں گی ان کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح ہوں گے (1)'' اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ ارادہ کیا: وہ ہر گناہ سے خالی ہوں گے یا ہر عیب سے محفوظ ہوں گے، دنیا کے امور کی انہیں کچھ خبر نہ ہوگی، جس طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے: ''اکثر جنتی بلہ ہوں گے'' یہ حدیث صحیح ہے، جو معاصی سے پاک ہوں گے۔ ازہری نے کہا: یہاں بلہ سے مراد وہ ہے جس کو بھلائی پر پیدا کیا گیا وہ شر سے غافل ہو وہ شر کو پہچانتا ہی نہیں۔ قتبی نے کہا: البلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر سینوں کی سلامتی غالب ہو اور انہیں لوگوں کا حسن ظن حاصل ہو۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَا اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

''اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ بہکنے والوں کے لیے اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ اور ابلیس کی ساری فوجیں، وہ کہیں گے اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہوں گے خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر بنائے ہوئے تھے اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر (ان ناری) مجرموں نے تو

1۔ صحیح مسلم، باب فی صفۃ الجنۃ، جلد 2، صفحہ 380

(آج) نہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی اور نہ کوئی غمخوار دوست پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو ہم اہل ایمان سے ہوتے بے شک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور (اے حبیب!) بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ یعنی جنت قریب کردی گئی تا کہ وہ اس میں داخل ہوں۔ زجاج نے کہا: ان کا اس میں داخل ہونا قریب ہو گیا۔ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ اور جہنم ظاہر کردی گئی لِلْغٰوِیْنَ ان کافروں کے لیے ہے جو ہدایت سے گمراہ ہوئے، یعنی جہنم جہنمیوں کے لیے ان کے داخل ہونے سے پہلے ظاہر کردی جائے گی یہاں تک کہ وہ خوف اور حزن محسوس کریں گے جس طرح جنتی خوشی محسوس کریں گے کیونکہ انہیں علم ہوگا کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت اور شریک ہیں۔ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے تمہاری مدد کریں گے۔ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ یا اپنے لیے انتقام لے سکتے ہیں، یہ سب توبیخ کے طریقہ پر ہے۔ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا انہیں جہنم میں ان کے سروں کے بل گرا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے بعض کو بعض پر پھینک دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں جمع کیا جائے گا۔ یہ کبکبہ سے ماخوذ ہے جس سے مراد جماعت ہے؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ کو اکب الشیء سے مشتق ہے جس کا معنی اس کا بڑا حصہ ہے۔ گھوڑوں کی جماعت کو کوکب اور کبکبہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں جمع کیا گیا اور جہنم میں پھینک دیا گیا۔ مجاہد نے کہا: انہیں گڑھے میں پھینکا گیا۔ مقاتل نے کہا: انہیں پھینکا گیا۔ معنی ایک ہی ہے تو کہتا ہے: دھورث الشیء جب تو اسے جمع کرے پھر اسے گڑھے میں پھینک دے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھوید ھور اللقم وہ لقمے کو گھماتا ہے یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب وہ لقمے کو بڑا کرے۔ دعا میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: کتب اللہ عدو المسلمین، اکبہ نہیں کہا جاتا کبکبہ یعنی اسے منہ کے بل گرایا اور اسے الٹ دیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا اصل کببوا تھا درمیانی باء کو ثقل کی وجہ سے کاف میں بدل دیا کیونکہ تین باء جمع ہو گئے تھے۔ سدی نے کہا: کبکبوا میں ضمیر مشرکین عرب کے لیے ہے: وَ الْغٰوٗنَ مراد معبود ہیں۔ وَ جُنُوْدُ اِبْلِیْسَ جو اس کی ذریت میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اسے بتوں کی عبادت کی دعوت دی تو اس نے اس کی پیروی کی۔ قتادہ، کلبی اور مقاتل نے کہا: الْغٰوٗنَ سے مراد شیاطین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آگ میں پھینکے جائیں گے، وہ لوہے اور تانبے کے ہوں گے تا کہ ان کے ساتھ غیروں کو عذاب دیا جائے۔ قَالُوْا وَ هُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ وہ اس میں جھگڑ رہے ہوں گے مراد انسان، شیاطین، گمراہ اور معبود باطلہ۔ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں گے ہم خسارہ، ہلاکت اور حق سے واضح حیرت میں تھے جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنا لیے تو ہم نے ان کی عبادت کی جس طرح ان کی عبادت کی جاتی تھی، یہی اس ارشاد کا معنی ہے۔ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی ہم تمہیں عبادت میں رب العالمین کے ساتھ برابر کرنے والے ہیں اب تم نہ ہماری مدد کی طاقت رکھتے ہو اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہو۔ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ مجرموں سے مراد شیاطین ہیں جنہوں نے ہمارے لیے بتوں کو مزین کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد

ہمارے اسلاف ہیں جن کی ہم نے تقلید کی۔ ابو العالیہ اور عکرمہ نے کہا: مجرمون سے مراد ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا جس نے قتل کیا تھا دونوں وہ پہلے افراد ہیں جنہوں نے کفر، قتل اور مختلف قسم کے معاصی کی سنت قائم کی۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ہمارے کوئی شفیع نہیں فرشتوں میں سے، انبیاء میں سے اور مومنوں میں سے۔ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ اور نہ کوئی مشفق دوست ہے۔ حضرت علی شیر خدا ﷛ کہا کرتے تھے: بھلائیوں کو لازم پکڑو کیونکہ وہ دنیا و آخرت کا سامان ہیں کیا تو جہنمیوں کا قول نہیں سنا: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾۔ زمخشری نے کہا: شافع کی جمع ذکر کی کیونکہ شفاعت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور صدیق کو واحد ذکر کیا کیونکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ انسان جب ظالم کے ظلم کا شکار ہو تو اس کے شہر کی بڑی جماعت اس کی سفارش کے لیے جاتی ہے مقصد اس پر رحم و شفقت کا اظہار ہوتا ہے اگرچہ اکثر کو پہلے اس کی پہچان تک نہ ہو جہاں تک صدیق کا تعلق ہے وہ وہ ہوتا ہے جو تیری محبت میں سچا ہوتا ہے اسے وہ چیز غمگین کرتی ہے جو تجھے غمگین کرتی ہے۔

ایک حکیم سے مروی ہے اس سے صدیق کا معنی پوچھا گیا۔ اس نے کہا: یہ ایسا اسم ہے جس کا کوئی معنی نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ صدیق سے مراد جمع اور قریبی و خاص حمایتی ہو، اسی سے حامۃ الرجل ہے یعنی اس کے قریبی۔ اس کی اصل حمیم ہے اس سے مراد گرم پانی ہے اسی سے حمام اور حمی ہے حامۃ الرجل سے مراد وہ لوگ ہیں انہیں وہ جلائے جو اسے جلائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: یحزنھم مایحزنہ، یعنی انہیں وہ چیز غمگین کرتی ہے جو اسے غمگین کرتی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حم الشیء واحم جب وہ قریب ہو جائے۔ اسی سے حمی ہے کیونکہ یہ موت کے قریب کر دیتا ہے۔ علی بن عیسیٰ نے کہا: قریبی کو حمیم کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ساتھی کے غصہ کی وجہ سے حمیت کا مظاہرہ کرتا ہے، اسے حمیت سے ماخوذ مانا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صدیق کی محبت اور حمیم کی رقت ختم کر دے گا۔ لا صدیقٌ حمیمٌ مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ اس کا عطف مِنْ شَافِعِيْنَ کے محل پر ہے کیونکہ مِنْ شَافِعِيْنَ کا محل رفع ہے۔ صدیق کی جمع اصدقاء، صدقاء اور صداق ہے صُدُق نہیں کہا جاتا تاکہ نعت اور غیر میں فرق کیا جائے۔ کوفیوں نے کہا: اس کی جمع صدقان بھی آتی ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بعید ہے کیونکہ یہ ایسی جمع ہے جو نعت نہیں۔ جس طرح رغیف کی جمع رغفان آتی ہے۔ انہوں نے صدیق کی جمع اصادق بیان کی ہے۔ افاعل یہ افعل کی جمع ہے جب وہ نعت نہ ہو۔ جس طرح اشجع کی جمع اشاجع آتی ہے۔ صدیق کا لفظ واحد، جمع اور عورت کے لیے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

نَصَبْنَ الهواءَ ثم ارتمين قلوبَنا بأعيُنِ أعْدَاءٍ وهُنَّ صَدِيق

محل استدلال ھن صدیق ہے۔ ھن جمع مونث کی ضمیر ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان صدیقی، فلاں میرا خاص دوست ہے۔ مدح کے لیے تصغیر بنائی ہے۔ جس طرح حباب بن منذر کا قول ہے: أنا جُذَيْلُها المحكّك و عُذَيْقُها المرَجّب محل استدلال جذیل اور عذیق ہے۔ جوہری نے اس کو ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: حمیم کی جمع احماء اور أَحِمَّة ہے تضعیف کے لیے افعلاء کے وزن کو مکروہ جانا ہے۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً، ان محل رفع میں ہے اگر ہمارا دنیا کی طرف لوٹنا ہوتا تو ہم ایمان لاتے یہاں تک کہ ہمارے بھی شفیع ہوتے۔ انہوں نے اس وقت تمنا کی جب تمنا کوئی نفع نہیں دے گی۔ انہوں نے یہ بات اس وقت کی جب فرشتوں اور مومنوں نے شفاعت کی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''انسان جنت میں کہے گا جہنم میں فلاں اور اس کے دوست کا کیا معاملہ ہے وہ لگاتار اس کی سفارش کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اس کی سفارش قبول کر لے گا۔ جب وہ نجات پا جائے گا تو مشرک کہیں گے۔ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ ''

حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر پر جمع نہیں ہوتی جن میں کوئی جنتی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب میں اس کی شفاعت قبول کر لیتا ہے اہل ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ کعب نے کہا: دو آدمی دنیا میں دوست تھے ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے پاس سے گزرے گا جب کہ اسے جہنم کی طرف کھینچا جا رہا ہوگا، اس کا بھائی اسے کہے گا: اللہ کی قسم! میری صرف ایک نیکی رہ گئی ہے جس کے ساتھ میں نجات پا سکتا ہوں تو وہ نیکی لے لے، اے میرے بھائی! میرا خیال ہے تو اس کے ساتھ (جہنم سے) نجات پا جائے گا، پھر میں اور تو اصحاب اعراف میں رہیں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کے بارے میں حکم دے گا تو وہ دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۰۵ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ۚ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۰۸ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۹ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝۱۱۰ؕ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝۱۱۱ؕ قَالَ وَ مَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۲ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝۱۱۳ۚ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۴ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۵ؕ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝۱۱۶ؕ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ۝۱۱۷ۚ فَافْتَحْ بَيْنِیْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۸ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۱۹ۚ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝۱۲۰ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۱ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۲۲ۚ

''جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں طلب نہیں کرتا تم

سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے پس تم ڈرو الله سے اور میری پیروی کرو۔ انہوں نے کہا: کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو نہیں ہوں میں مگر (عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا۔ ان (مغروروں) نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔ آپ نے عرض کی: میرے مالک! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے پس تو فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے درمیان جو قطعی ہو اور (اپنے عذاب سے) نجات دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہل ایمان سے، پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ، كَذَّبَتْ فرمایا جب کہ قوم مذکر ہے کیونکہ مراد ہے كذبت جماعة قوم نوح۔ الْمُرْسَلِينَ فرمایا کیونکہ جس نے ایک رسول کو جھٹلایا اس نے تمام رسل کو جھٹلایا کیونکہ ہر رسول تمام رسولوں کی تصدیق کا حکم دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کے نبی ہونے اور ان کے بعد رسولوں کے آنے کی جو خبر دی اس کو جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جنس کا ذکر کیا مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں سورۂ فرقان میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ ان کے جد اعلیٰ کے بیٹے، وہ ان کے نسبی بھائی تھے دینی بھائی نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مجانست کی اخوت تھی الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (ابراہیم) سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے قول سے ہے یا اخابنی تمیم وہ ان میں سے ایک فرد مراد لیتے۔ اسی معنی میں حماسہ کا شعر ہے:

لا يسألون أخاهم حين يندبهم  في النائبات على ما قال برهانا

ان کا بھائی مصیبتوں میں جب انہیں مدد کے لیے بلاتا ہے تو اس سے کسی دلیل کا سوال نہیں کرتے۔

أَلَا تَتَّقُونَ وہ بتوں کی عبادت میں الله تعالیٰ سے ڈرتے۔ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ پس الله تعالیٰ کی جانب سے تمہیں جو پیغام حق سنا رہا ہوں اس میں سچا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے درمیان امین ہوں، کیونکہ اس سے قبل وہ آپ کی امانت اور صدق کو جانتے تھے، جس طرح قریش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ الله تعالیٰ کی اطاعت کو اس کے عقاب سے پردہ بنا دو۔ وَأَطِيعُونِ میں تمہیں ایمان کا جو حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ میرا تم میں کوئی طمع نہیں۔ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ میری جزا الله تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ تاکید کے لیے کلام کو مکرر ذکر کیا۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ انہوں نے کہا: کیا ہم آپ کے قول کی تصدیق کریں۔ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ واؤ حالیہ ہے اس میں قد ہے تقدیر کلام یہ ہے وقد اتبعك، الارذلون، یہ ارذل کی جمع ہے جمع مکسر اراذل، مونث رذلی اس کی جمع رذل ہے۔ نحاس نے کہا: جن نحویوں کو ہم جانتے ہیں ان میں سے کسی کے نزدیک بھی اس میں سے الف لام کا حذف جائز نہیں۔ حضرت ابن مسعود، ضحاک، یعقوب حضرمی اور قراء نے اسے وانما اتباعك الأرذلون پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ اچھی قراءت ہے اس واؤ کے بعد اکثر اسماء آتے ہیں اور افعال قد کے بعد آتے ہیں اتباع یہ تبع اور تبیع کی جمع ہے یہ لفظ واحد اور جمع کے لیے آتا ہے۔ شاعر نے کہا:

له تَبَعٌ قد یعلمُ النّاسُ أنه ... علی من یُدانِی صَیِّفٌ وَرَبِیعُ

محل استدلال له تبع ہے یعنی اس کے پیروکار ہیں۔

اتباعك پر رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے جائز ہے الارذلون خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی انومن لك وانما اتباعك الارذلون یہ بھی جائز ہے انومن، لك کی ضمیر پر معطوف ہو تقدیر کلام یہ ہوگی انؤمن لك نحن واتباعك الارذلون فنعد منهم، لك کے ساتھ فصل بہت اچھا ہے، سورۂ ہود میں اراذل کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے ہم یہاں مزید وضاحت کرتے ہیں اور یہ مسئلہ ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ ان کے بیٹے، گھر کی عورتیں اور ان کے پوتے تھے اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کے ساتھ کوئی اور تھا یا نہیں تھا کوئی بھی صورت ہو وہ سب صالح تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی: وَنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ جو آپ کے ساتھ تھے وہی آپ کے پیروکار تھے کافروں کے قول سے نہ انہیں شین لاحق ہوا اور نہ ہی مذمت لاحق ہوئی بلکہ ارذل ہی ان کی تکذیب کرنے والے تھے۔ سہیلی نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں جو قول روایت کیا گیا ہے اس سے بہت سے عوام نے دھوکہ کھایا ہے وہ قول یہ ہے: وہ بافندے اور حجام تھے، اگر وہ بافندے تھے جس طرح انہوں نے گمان کیا تو ان کا نبی پر ایمان اور اس کی اتباع انہیں شرف عطا کرنے والا تھا جس طرح حضرت بلال اور حضرت سلمان فارسی اسلام کی طرف سبقت لے جانے سے مشرف ہوئے۔ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد بافندے اور حجام نہ تھے اور کافروں کا بافندوں اور حجاموں کے بارے میں اگر وہ ایمان لائے تھے کہ یہ ارذل ہیں اس طرح کی مذمت کو لاحق نہیں کرتا جس طرح آج یہ لفظ مذمت کو لاحق کرتا ہے کیونکہ یہ تو کافروں کے قول کی حکایت ہے مگر اس صورت میں کہ کافروں کی حجت اور ان کے قول کو اصول قرار دیا جائے یہ عظیم جہالت ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ کیا ہے کہ صنعتیں دین میں کوئی نقصان دینے والی نہیں۔

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کان زائدہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وما علمی بما یعملون یعنی مجھے ان کے اعمال

کے علم کا مکلف نہیں بنایا گیا مجھے تو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ میں انہیں ایمان کی دعوت دوں اعتبار ایمان کا ہے حرفوں اور صنعتوں کا نہیں۔ گویا انہوں نے کہا: ان کمزور لوگوں نے عزت اور مال کی طمع میں آپ کی اتباع کی۔ فرمایا: میں ان کے امر کے باطن پر واقف نہیں میرے سپرد تو ان کا ظاہر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا اور تمہیں گمراہ کرے گا ان کی رہنمائی کرے گا اور تمہیں راہ راست سے بھٹکا دے گا انہیں توفیق دے گا اور تمہیں بے یارومددگار چھوڑ دے گا۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ان کے اعمال اور ایمان کا حساب میرے رب کے ذمہ ہے۔ لو کا جواب محذوف ہے اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾، لو کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لو شعرتم إن حسابهم على ربهم لما عبتموهم بصنائعهم عام قراءت تشعرون تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ ہے، کفار کو خطاب ہے یہی ظاہر ہے۔ ابن ابی عبلہ اور محمد بن سمیقع نے لو یشعرون قراءت کی ہے گویا کفار کے بارے میں خبر ہے اور خطاب کو ان سے ترک کیا گیا ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ الخ (یونس: 22) یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے سفیان سے پوچھا: جس نے بدکاری کی اور اپنے بچے کو قتل کر دیا جب کہ وہ مسلمان ہے کیا اس کی آگ کا فیصلہ کیا جائے گا؟ فرمایا اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾۔

وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ان کے احوال اور اشغال کی خفت کی وجہ سے میں انہیں دھتکارنے والا نہیں گویا انہوں نے بھی ضعفاء کو دھتکارنے کا مطالبہ کیا جس طرح قریش نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے فقراء کو چھوڑ کر صرف اغنیاء کے لیے مبعوث نہیں کیا۔ میں تو رسول ہوں میں تمہیں پیغام حق سناتا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے جس نے میری اطاعت کی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سعادت مند ہے اگرچہ وہ فقیر ہو۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ اے نوح! اگر تم ہمارے معبودوں کو سب وشتم کرنے اور ہمارے دین میں عیب لگانے سے نہ رکا۔ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ تم کو پتھروں سے رجم کر دیا جائے گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: تو مقتولوں میں سے ہو جائے گا۔ ثمالی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی مرجومین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد قتل ہے مگر سورۂ مریم میں لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ (مریم: 46) میں تجھے سب وشتم کروں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تو سب وشتم کیے جانے والوں میں ہوگا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ اس معنی میں ابوداؤد کا قول ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ اس وقت بات کی جب آپ ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے۔ فتح کا معنی حکم ہے یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ اس سے مراد کشتی ہے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مشحون سے مراد بھری ہوئی۔ شحن سے مراد کشتی کا لوگوں اور جانوروں سے بھر جانا۔ یہاں فلك مونث نہیں کیونکہ یہاں فلك واحد ہے جمع نہیں۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ بعد اس کے کہ ہم نے نوح اور جو ایمان لائے ان کو نجات دی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ یہ بحث گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ۝ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

''جھٹلایا عاد نے (اپنے) رسولوں کو جب فرمایا انہیں ان کے بھائی ہود نے: کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس الله تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (خدمت) کا کوئی صلہ۔ میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ اور اپنی رہائش کے لیے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بے درد بن کر گرفت کرتے ہو پس (اب تو) الله سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں سے اور باغات اور چشموں سے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے انہوں نے کہا: یکساں ہے ہمارے لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے۔ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس لیے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں بھی (نبوت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے اس میں اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِیْنَ تانیث قبیلہ اور جماعت کے معنی کی وجہ سے ہے۔ وہ مرسلین کو جھٹلاتے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿125﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿126﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿127﴾ معنی واضح ہے بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ رِیع سے مراد وہ چیز ہے جو زمین سے بلند ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا قول ہے: یہ ریعۃ کی جمع ہے کم ریع ارضك تیری زمین کی بلندی کتنی ہے۔ قتادہ نے کہا: ریع سے مراد راستہ ہے؛ یہ ضحاک، کلبی، مقاتل اور سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہ قول ہے اس معنی میں مسیب بن علس کا قول ہے۔

فی الآلِ یَخْفِضُها ویَرْفَعُها رِیعٌ یَلُوحُ کَأَنَّه سَحْلُ(1)

راستہ کو سفید کپڑے سے تشبیہ دی۔ نحاس نے کہا: لغت میں معروف ہے زمین سے جب کوئی چیز بلند ہو تو اسے ریع کہتے ہیں اور راستہ کو بھی ریع کہتے ہیں۔ اسی معنی میں شاعر کا شعر ہے:

طِرَاقُ الخَوَافِي مشرق فَوْقَ رِیعَةٍ نَدَی لیلِهِ فی ریشه یَتَرَقْرَقُ

عمارہ نے کہا: ریع سے مراد پہاڑ ہے واحد ریعۃ ہے جمع ریاع آتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ ہے۔ انہیں سے معنی ثنیۃ صغیرہ مروی ہے۔ ان سے اس کا معنی منظرہ مروی ہے۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: جب وہ سفر کرتے تو وہ ستاروں سے رہنمائی لیتے وہ راستوں پر لمبے لمبے نشان بناتے تاکہ ان سے ہدایت حاصل کریں اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان اٰیَةً دلالت کرتا ہے۔ اس سے مراد علامت ہے۔ مجاہد سے مروی ہے ریع سے مراد حمام کی عمارت ہے اس کی دلیل تَعْبَثُوْنَ ہے یعنی تم کہتے ہو یعنی تم ہر بلند جگہ نشانی کے طور پر بناتے ہو جس کے ساتھ تم کھیلتے ہو۔ مراد حمام اور برج بنانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی راستہ سے گزرتا اس کے ساتھ کھیلتے ہو، یعنی تم بلند جگہ بناتے ہو تاکہ تم راستہ پر جھانکو اور ان سے مذاق کرو۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد عاشروں (ٹیکس لینے والے) کا گزرنے والوں کے اموال سے کھیلنا ہے؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: ریع سے مراد گرجا ہے اور ریع سے مراد حمام کا برج ہے جو صحراء میں ہوتا ہے۔ ریع سے مراد بلند ٹیلہ ہے۔ ریع میں دو لغتیں ہیں۔ راء کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ۔ اس کی جمع ارياع ہے؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا۔

وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ، مصانع سے مراد منازل ہیں؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مضبوط قلعے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَرَکْنا دیارَهُم منهم قِفَارًا وَهَدَّمْنا المصانِعَ وَالبُرُوجا

ہم نے ان کے گھروں کو چٹیل چھوڑا اور ہم نے مصانع اور برج گرا دیے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مضبوط محلات ہیں؛ یہ مجاہد کا بھی قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: حمام کے برج؛ یہ سدی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: مجاہد سے یہ قول حقیقت سے بعید ہے کیونکہ ان سے پہلے یہ قول گزر چکا ہے اس سے مراد حمام کی عمارت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 238

ہے تو کلام میں تکرار ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد زمین کے نیچے پانی کے مآجل (وہ گڑھے جن میں پانی جمع ہو) ہے اسی طرح زجاج نے کہا: اس سے مراد مصانع الماء ہے اس کا واحد مصنعۃ اور مصنع ہے۔ اسی معنی میں لبید کا قول ہے:

بَلِینا و ماتَبْلَی النجومُ الطوالعُ　　وتبقَی الجبالُ بَعْدَنا والمصانِعُ

ہم بوسیدہ ہو گئے اور طلوع ہونے والے ستارے بوسیدہ نہیں ہوتے اور ہمارے بعد پہاڑ اور مصانع باقی رہتے ہیں۔

جوہری نے کہا: مصنعہ حوض کی طرح ہوتا ہے اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے اسی طرح مصنعہ ہے مصانع کا معنی قلعے بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: ہر عمارت کو مصنع کہتے ہیں؛ مہدوی نے اسے بیان کیا ہے۔ عبدالرزاق نے کہا: ہمارے نزدیک یمن کی لغت میں مصانع سے مراد عادی محلات ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ تاکہ تم ہمیشہ رہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعل استفہام، توبیخ کے معنی میں ہے یعنی کیا تم ہمیشہ رہو گے۔ جس طرح تیرا قول ہے: لعلك تشتمني کیا تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ ابن زید سے اس کا معنی مروی ہے۔ فراء نے کہا: تاکہ تم ہمیشہ رہو تم موت میں غور و فکر نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: گویا تم اس میں ہمیشہ اور باقی رہنے والے ہو۔ بعض قراءتوں میں ہے کأنکم تخلدون؛ نحاس نے اس کو ذکر کیا ہے۔ قتادہ نے حکایت بیان کی ہے: بعض قراءتوں میں کأنکم خالدون ہے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ بطش کا معنی سطوت اور سختی سے پکڑنا ہے اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے قد بَطَش به یبطش و یبطِش بطشا، باطشه مباطشة، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: بطش سے مراد تلوار سے قتل کرنا اور ڈنڈے سے مارنا ہے۔ اس کا معنی ہے تم نے یہ عمل ظلم کے طور پر کیا۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد ڈنڈے سے مارنا ہے۔

مالک بن انس نے نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں جو ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ناحق تلوار سے قتل کرنا ہے۔ یہ یحییٰ بن سلام نے حکایت بیان کی ہے۔ کلبی اور حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد غصہ کی وجہ سے قتل کرنا ہے۔ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف راجع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عمد اور خطا کے طور پر مواخذہ کرنا جب کہ معافی وغیرہ نہ ہو۔ ابن عربی نے کہا: مالک نے جو کہا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان کرتا ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ (القصص: 19) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر نہ تلوار سونتی اور نہ ہی اسے نیزہ مارا آپ نے اسے گھونسا مارا۔ اس کی موت اس کے گھونسے میں ہی واقع ہوگئی۔ بطش ید سے بھی ہوتی ہے کم سے کم حالت گھونسا مارنا اور دھکا دینا ہے اس کے بعد سوط اور عصا سے مارنا ہے اور اس سے بڑھ کر لوہے سے مارنا ہے، سب مذموم ہے مگر جب حق کے ساتھ ہو۔ آیت اس لیے نازل ہوئی تاکہ اس امر کی خبر دے جو سابقہ امتوں میں گزرا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیں نصیحت ہے کہ ہم اس فعل سے پہلو تہی کریں جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی اور ان پر اسے ناپسند کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ مذموم اوصاف اس امت کے کثیر افراد میں پائے جاتے ہیں خصوصاً مصری علاقوں میں جب سے ترک ان کے حاکم بنے ہیں وہ ناحق سوط اور عصا سے لوگوں کو مارتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ یہ امر واقع ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں میں نے ان دونوں کو نہیں دیکھا ایک ایسی قوم جن کے پاس سوط (ڈنڈے) ہوں گے جس طرح گائیوں کی دُمیں ہوتی ہیں جن کے ساتھ وہ لوگوں کو ماریں گے اور ایسی عورتیں جو لباس پہنے ہوں گی، ان کے جسم عیاں ہوں گے، جو خود گمراہ ہوں گی اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گی ان کے سر بختی اونٹوں کی جھکی ہوئی کہانوں کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی جب کہ جنت کی خوشبو اتنے اتنے فاصلہ سے محسوس کی جاسکتی ہے'' (1)۔

ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم بیع عینہ (2) کرو، تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کھیتی پر راضی ہو جاؤ اور جہاد کو ترک کر دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دے گا وہ اس ذلت کو دور نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ گے''۔

جَبَّارِيْنَ قتل کرنے والے، جبار اسے کہتے ہیں جو ناحق قتل کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ (القصص: 19) یہ ہروی نے قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار سے مراد ایسا شخص ہے جو سرکش اور تسلط جمانے والا ہو۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (ق: 45) جبار سے مراد مسلط ہے۔ شاعر نے کہا:

سَلَبْنَا من الجبّار بالسيف مُلْكَه عَشِيًّا وأطرافُ الرِّمَاحِ شَوَارِعُ

ہم نے پچھلے پہر جبار سے اس کا ملک تلوار سے چھین لیا جب کہ نیزے کی انیاں تنی ہوئی تھیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ان کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وَاتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ یعنی بھلائیوں سے تمہاری مدد کی، پھر اس ارشاد: اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کی، یعنی ان چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کیا اور تم پر ان کے ساتھ فضل و احسان فرمایا وہ ہی ایسی ذات ہے جس کی عبادت کرنا اس کا شکر بجا لانا اور اس کی ناشکری نہ کرنا واجب ہے۔

اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ اگر تم اس کا انکار کرو اور تم اس پر اصرار کرو تو میں تمہارے بارے میں یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ یہ سب ہمارے لیے برابر ہے نہ ہم تجھ سے یہ بات سنتے ہیں اور نہ ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تم کہتے ہو۔ عباس نے ابوعمرو سے اور بشر، کسائی سے روایت نقل کرتے ہیں اوعظت

1۔ صحیح مسلم، باب فی فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیامۃ، جلد 2، صفحہ 383

2۔ بیع عینہ معلوم یہ کسی کو کوئی چیز ادھار بیچے پھر اس قیمت سے کم قیمت پر اس سے وہ چیز خریدے۔

میں ظاء تاء میں مدغم ہے۔ یہ قول بعید ہے کیونکہ ظاء حروف مطلقہ میں سے ہے یہ صرف اس میں مدغم ہوتا ہے جو اس کے بہت ہی قریب ہو وہ اس کی مثل ہو یا اس کا ہم مخرج ہو۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ، خلقا سے مراد دین ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا۔ فراء نے کہا: پہلے لوگوں کی عادت ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے خَلْقُ الاولین پڑھا ہے باقی نے خُلُقُ پڑھا ہے۔ ہروی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ کا معنی ہے ان کا اختلاف اور ان کا کذب۔ جس نے خُلُقُ الاولین پڑھا ہے تو اس کا معنی ہے ان کی عادت یہ ہے۔ عرب کہتے ہیں: حدثنا فلان باحادیث الخلق فلاں نے ہمیں خرافات اور من گھڑت باتیں بتائیں۔ ابن اعرابی نے کہا: خلق کا معنی دین، طبع اور مروت ہے۔ نحاس نے کہا: فراء کے نزدیک خلق الاولین سے مراد پہلوں کی عادت ہے۔ محمد بن ولید نے محمد بن زید سے حکایت بیان کی ہے کہ خلق الاولین کا معنی ہے ان کا مذہب اور ان پر جو امر جاری ہوا۔ ابو جعفر نے کہا: دونوں قول قریب قریب ہیں۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا۔(1) مومنوں میں سے سب سے کامل وہ ہے جو ان میں سے مذہب، عادت اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جو ان کا معمول ہوتا ہے اس میں اچھا ہو۔ یہ جائز نہیں جو حسن خلق کا مالک ہو وہ فاجر ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ برے اخلاق والا کامل ایمان والا ہو اگرچہ وہ فاجر نہ ہو۔ ابو جعفر نے کہا: ہمارے سامنے محمد بن یزید سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ خلق الاولین کا معنی ان کا جھٹلانا اور اندازہ لگانا ہے مگر وہ پہلی قراءت کی طرف مائل تھے، کیونکہ اس میں ان کے آباء کی مدح تھی۔ قرآن حکیم میں جو ان کی صفت آئی ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے آباء کی مدح کرتے تھے۔ ان کا قول: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ (زخرف: 23) ابو قلابہ سے مروی ہے انہوں نے خلق خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یہ خلق کی تخفیف ہے: اسے ابن جبیر نے اصحاب نافع سے اور وہ حضرت نافع سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خلق الاولین کا معنی ہے پہلوں کا دین۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (النساء: 119) خلق اللہ سے مراد اللہ کا دین۔ خلق الاولین پہلے لوگوں کی عادت: زندگی پھر موت اور اس کے بعد کوئی اٹھانا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ چیز یعنی عمارتیں بنانا اور قوت جس کا تو نے انکار کیا ہے نہیں ہے مگر ہمارے پہلوں کی عادت، ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ جو ہم کیا کرتے تھے اس پر ہمیں عذاب نہیں دیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے خلق اجسام الاولین یعنی ہماری پیدائش نہیں ہے مگر پہلوں کی پیدائش کی طرح جو ہم سے قبل پیدا کیے گئے وہ مر گئے اور جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو اس میں سے کوئی چیز ان پر نازل نہ ہوئی۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے انہیں ریح صرصر سے ہلاک کر دیا وہ سرکش تھی جس طرح سورۂ حاقہ میں آئے گا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ بعض نے کہا: ان پر تین لاکھ اور چند سو ایمان لائے اور باقی ماندہ ہلاک ہو گئے۔

---

1۔ جامع ترمذی، باب فی الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا، جلد 1، صفحہ 138۔ ایضاً، حدیث نمبر 1082، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ اس کی بحث گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ
عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾
فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

''جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو جب کہا انہیں ان کے بھائی صالح نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین ہوں سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے، میری پیروی کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ، میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس (عیش وطرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں میں اور (شاداب) کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جس کے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگتراش) بنتے ہوئے پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔ جواب ملا (اے صالح!) تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ فرمایا: یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آئے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب۔ ان (بدبختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ہو گئے ندامت (و افسوس) کرنے والے۔ پس آلیا انہیں عذاب نے، بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بے شک آپ کا رب عزیز و رحیم ہے''۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ ذکر کیا۔ وہ قوم ثمود ہے جس طرح پہلے گزرا ہے وہ حجر میں رہا کرتے تھے یہ علاقہ کھجوروں، کھیتوں اور چشموں والا تھا۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ یعنی دنیا میں موت اور عذاب سے امن میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ بڑے معمر لوگ تھے عمارات ان کی عمروں کے ساتھ باقی نہیں رہتی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (ہود:61) حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں شرمندہ کیا اور فرمایا: کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم دنیا میں موت کے بغیر باقی رہو گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ زمخشری نے کہا: اگر تو کہے جَنّٰتٍ کے بعد نَخْلٍ کیوں فرمایا جب کہ جنات کھجور کے درختوں کو پہلے شامل ہوتا ہے جس طرح نعم کا لفظ اونٹوں کو شامل ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت کا لفظ ذکر کرتے ہیں اور وہ کھجور کے درخت مراد لیتے ہیں جس طرح وہ نعم کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے صرف اونٹ ہی مراد لیتے ہیں۔ زہیر نے کہا:

كَاَنَّ عَيْنَيَّ فِيْ غَرْبَيْ مُقَتَّلَةٍ مِنَ النَّوَاضِحِ تَسْقِيْ جَنَّةً سُحُقًا

گویا میری دونوں آنکھیں سیراب کرنے والی اونٹنی کے بڑے ڈول میں آنسو گرا رہی ہیں جو کھجور کے لمبے لمبے درختوں کو سیراب کر رہی ہے۔ یہاں بھی جنت سے مراد کھجور کا باغ ہے۔ نخلة سحوق سے مراد لمبی کھجوریں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں دو وجوہ ہیں (۱) پہلے کھجور کے درخت تمام درختوں کے ضمن میں داخل ہوئے بعد میں کھجور کے درختوں کو انفرادی طور پر یہ شامل ہوا اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے (۲) جنات سے دوسرے درخت مراد لیے جائیں کیونکہ یہ لفظ ان سب کی صلاحیت رکھتا ہے پھر اس پر نخل کا لفظ معطوف کیا۔ طلعة سے مراد ہے جو کھجور سے پھوٹتا ہے جس طرح تلوار کا پھل ہوتا ہے اس کے اندر گچھے کی شاخیں ہوتی ہیں۔ قنو تنے سے نکلنے والی چیز کو کہتے ہیں جس طرح اس کی موٹی اور باریک شاخیں ہوتی ہیں۔ هضیم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب تک وہ غلاف میں ہوتا ہے وہ لطیف و نرم ہوتا ہے هضیم سے مراد لطیف اور باریک ہے۔ اسی معنی میں امراء القیس کا مصرعہ ہے:

عَلَىٰ هَضِيْمِ الْكَشْحِ رَيَّا الْمُخَلْخَلِ

پتلے پہلو پر اس حال میں جو خوبصورت ہے اور پازیب کی جگہ۔

جوہری نے کہا: خوشے کو اس وقت تک هضیم کہا جاتا ہے جب تک وہ اپنے غلاف سے باہر نہ آئے، کیونکہ وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور عورتوں میں سے هضیم اسے کہتے ہیں جو نرم پہلوؤں والی ہو پتلی کمر والی۔ اسی کی مثل ہروی نے بیان کیا ہے اس نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جو اپنے غلاف میں ایک دوسرے سے پیوست ہو ابھی وہ ظاہر نہ ہو۔ اس سے رجل هضیم الجنبین ہے جس کے پہلو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں؛ یہ اہل لغت کا قول ہے۔ ماوردی اور دوسرے علماء نے اس بارے میں بارہ قول ذکر کیے ہیں (۱) تر اور نرم کھجور: یہ عکرمہ کا قول ہے (۲) تر کھجوروں میں سے جس کا ایک سرا رنگ بدل چکا ہو؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: ابواسحاق نے یزید سے روایت نقل کی ہے اس سے مراد ابن ابی زیاد کوفی اور یزید بن ابی مریم شامی ہے ونخل طلعها هضيم کہا ان میں سے جو پک چکی ہوں اور ان میں سے کچھ کے سرے رنگ بدل چکے ہوں

(۳) اس میں گٹھلی نہ ہو، یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (۴) جو ٹوٹ جاتی ہو جب اسے مس کیا جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جو منہ میں جاتے ہی ریزہ ریزہ ہو جائے (۵) اس سے مراد ہے جو ایک دوسرے پر چڑھنے کی وجہ سے پتلی رہ گئی ہو؛ یہ ضحاک اور مقاتل کا قول ہے (۶) جن میں سے بعض بعض سے چمٹی ہوئی ہوں؛ یہ ابو صخر کا قول ہے (۷) جب وہ الگ الگ اور سبز ہو اس وقت طلع ہوتی ہے؛ یہ بھی ضحاک کا قول ہے (۸) جو صحیح پک چکی ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (۹) جو غلاف کے پھٹنے سے پہلے جمع ہو؛ اسے ابن شجرہ نے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

كأنّ حمولة تُجلَى عليهِ هَضِيمٌ مايُحسُّ له شُقُوقُ

(۱۰) اس سے مراد نرم ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (۱۱) اس سے مراد نرم و لطیف ہے جو سب سے پہلے نکلتا ہے وہی طلع نضید ہے؛ یہ ہروی نے کہا ہے (۱۲) یہ برنی ہے؛ یہ ابن اعرابی نے کہا۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے یہ مبارک اور خوشگوار ہے کیونکہ یہ ایسا کھانا ہے جو ہضم ہو جاتا ہے طلع یہ طلوع سے اسم مشتق ہے جس کا معنی ظہور ہے اسی معنی میں سورج، چاند اور نباتات کا طلوع ہے یعنی ظہور ہے۔

وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ، نحت کا معنی چھیلنا ہے نحتہ ینحِتہ نحتا جب اسے چھیلا نحاتة برادیة، مِنۡحَت جن کے ساتھ چھیلا جاتا ہے سورہ صفات میں ہے: اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ۝ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے کیونکہ ان کی عمریں طویل ہوتیں اور مٹی سے جو گھر وہ بناتے تھے وہ گر جاتے تھے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور نافع نے فرهین الف کے بغیر پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فارهین الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ اور دوسرے علماء کے نزدیک دونوں کا معنی ایک ہے۔ جس طرح عظاما نخرة اور ناخرة کا معنی ایک ہی ہے؛ قطرب نے اس کو بیان کیا ہے۔ فرُه، یفرُه فهو فاره و فرِه یفرَه فهو فرِه وفاره جب وہ چست ہو۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ دونوں کے درمیان ایک جماعت نے فرق بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا: فارهین سے مراد ہے وہ ان کو تراشنے میں ماہر تھے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو صالح اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے۔ عبد اللہ بن شداد نے کہا: فارهین کا معنی ہے متجبر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے فرهین کا معنی ہے اترانے والے؛ یہ قول مجاہد نے بھی کیا ہے۔ ان سے شرهین بھی مروی ہے یعنی حد درجہ حریص (1)۔ ضحاک نے کہا: عقلمند۔ قتادہ نے کہا: اپنے اعمال پر خوش ہونے والے؛ یہی قول کلبی نے کیا ان سے ناعمین بھی مروی ہے یعنی نرم و نازک ان سے آمنین بھی مروی ہے، یہی حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے متخیرین، ذخیرہ کرنے والے؛ یہ کلبی اور سدی کا قول ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

إلى فرِهٍ يماجد كلّ أمرٍ قصدتُ له لأختبر الطِّباعا

مال ذخیرہ کرنے والے کی طرف جو ہر امر میں بزرگی میں مقابلہ کرتا ہے میں نے اس کا قصد کیا تاکہ طباع کو آزماؤں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی متعجب ہے؛ یہ خصیف نے قول کیا ہے۔ ابن زید نے کہا: قوی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 240

فرہین کا معنی خوش ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ عرب ھاء اور حاء ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ تو کہتا ہے: مدھتہ، مدحتہ۔ الفرہ کا معنی خوش ہونے والا پھر فرح کا معنی مرح (متکبر) مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (الاسراء: 37) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ (القصص)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نو افراد ہیں جو زمین میں فساد برپا کرتے رہے اور اصلاح احوال نہ کرتے۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی کی: تیری قوم تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹے گی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے افراد سے یہ بات کی۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا کام کرنے والے نہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اس ماہ میں تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کی کونچیں کاٹے گا اور تمہاری ہلاکت اس کے ہاتھ پر ہوگی۔ انہوں نے کہا: اس ماہ میں جو بھی بچہ پیدا ہوگا ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اس ماہ میں ان کے ہاں نو بچے پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو ذبح کر دیا پھر دسویں کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس نے اپنا بیٹا ذبح کرنے سے انکار کر دیا اس کے ہاں پہلے بچہ پیدا نہ ہوا تھا دسویں کا بیٹا سرخ رنگ والا اور نیلی آنکھوں والا تھا۔ وہ تیزی سے بڑا ہوا جب وہ بچہ ان نو افراد کے پاس سے گزرتا وہ اس کو دیکھتے تو کہتے، اگر ہمارے بیٹے زندہ ہوتے تو وہ اس کی مثل ہوتے۔ وہ نو افراد حضرت صالح علیہ السلام پر ناراض ہو گئے، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام ہی ان کے بیٹوں کے قتل کا سبب بنے تھے انہوں نے عصبیت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھائیں کہ ہم رات کے وقت ان کو اور ان کے اہل کے افراد کو قتل کر دیں گے۔ انہوں نے کہا: ہم سفر پر نکلتے ہیں لوگ ہمارے سفر پر جانے کو دیکھیں گے تو ہم ایک غار میں چھپ جائیں گے یہاں تک کہ جب رات ہوگی اور حضرت صالح علیہ السلام مسجد کی طرف نکلیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے، پھر ہم کہیں گے: ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے بے شک ہم سچے ہیں۔ وہ ہماری تصدیق کریں گے اور وہ جانتے ہیں کہ ہم سفر پر نکلے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے ساتھ بستی میں نہیں سوتے تھے وہ اپنی مسجد میں آرام کیا کرتے تھے۔ جب صبح ہوتی تو ان کے پاس آتے اور انہیں نصیحت کرتے جب وہ غار میں داخل ہوئے پھر ارادہ کیا کہ وہ باہر نکلیں تو غار ان پر گر پڑی اور ان سب کو قتل کر دیا وہ لوگ جو اس امر پر مطلع تھے انہوں نے یہ دیکھا وہ بستی میں شور مچانے لگے اے اللہ کے بندو! کیا حضرت صالح ان کے بچوں کے قتل پر راضی نہ ہوئے تھے کہ انہیں بھی قتل کر دیا۔ بستی کے لوگوں نے اونٹنی کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ ابن اسحاق نے کہا: اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں جو سب و شتم کیا اور انہیں عذاب سے ڈرایا تو نو افراد اکٹھے ہوئے۔ جس کی وضاحت سورۂ نمل میں ان شاء اللہ آئے گی۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ یہ سحر سے مشتق ہے، یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ جس طرح مہدوی نے بیان کیا ہے۔ یعنی تجھ پر جادو کا اثر ہے تو تیری عقل باطل ہو گئی ہے کیونکہ تو ہماری مثل بشر ہے تو تو ہمارے سوا کس طرح رسالت کا دعویٰ کرتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں بار بار کھلایا پلایا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس بن جبہ، کلبی، قتادہ

اور مجاہد کا قول ہے جو ثعلبی نے ذکر کیا ہے اس تعبیر کی بنا پر وہ سَحْر سے مشتق ہے جو رئہ ہے یعنی تجھے سحر لاحق ہو گیا ہے جو ہماری مثل کھاتا پیتا ہے جس طرح لبید نے کہا:

فإن تسألينا فِيمَ نحن فإننا عصافيرُ من هذا الأنام المُسَحَّرِ

اگر تو ہمارے بارے میں سوال کرتی ہے کہ ہم کس حال میں ہیں بے شک ہم چڑیاں ہیں جوان جانداروں سے ہیں جن کو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

امراء القیس نے کہا:

نُسَحَّر بالطّعام و بالشَّراب

ہم کو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ کوئی نشانی لے آئیں اگر آپ سچے ہیں۔ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے جو اس پہاڑ سے سرخ اونٹنی نکالے جو دس ماہ کی گابھن ہو وہ بچہ جنے جب کہ ہم دیکھ رہے ہوں، وہ اس پانی پر وارد ہو وہ پانی پیئے اور اگلے روز اتنا ہی دودھ ہمیں دے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ یہ اونٹنی ہے پانی میں اس کا حصہ ہے ایک روز تمہاری پانی کی باری ہے اور ایک روز اس کی باری ہے جس روز اونٹنی کے پانی پینے کی باری ہوتی تو وہ سارا پانی پہلے پہر پی جاتی اور دن کے پچھلے پہر انہیں اتنا ہی دودھ دیتی جب ان کی باری ہوتی تو وہ پانی ان کے اپنے لیے، ان کے چوپاؤں کے لیے اور ان کی زمین کے لیے ہوتا۔ جس روز اونٹنی کی باری ہوتی تو اس میں سے کوئی پانی نہ پی سکتے اور جس دن ان کی باری ہوتی اونٹنی اس میں پانی نہ پیتی۔ فراء نے کہا: شرب سے مراد پانی کا حصہ ہے۔ نحاس نے کہا: جہاں تک مصدر کا تعلق ہے تو اس کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے شرب شَرْبا و شِربا و شُربا۔ مصدر اکثر مضموم ہوتا ہے کیونکہ مکسورہ اور مفتوحہ کسی اور چیز کے ساتھ شریک ہوتے ہیں تو شِرب پانی کے حصہ کو کہتے ہیں۔ شَرب یہ شارب کی جمع ہے۔ جس طرح شاعر نے کہا:

فقلتُ للشَّربِ فی دُرْنا و قد ثَمِلُوا

میں نے درنا (جگہ) میں پینے والوں سے کہا جب کہ وہ مست ہو چکے تھے۔

محل استدلال الشرب ہے۔ مگر ابو عمرو بن علاء اور کسائی شرب فتحہ کے ساتھ مصدر میں پسند کرتے ہیں۔ اور بعض علماء کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انها ایام اکل و شرب یہ کھانے پینے کے ایام ہیں(1)۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ یہاں تضعیف کا اظہار جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں ایک جنس سے متحرک حروف ہیں۔ فَیَاْخُذَكُمْ یہ نہی کا جواب ہے اس میں سے فاء کا حذف جائز نہیں جس میں جزم جائز نہیں جس طرح امر میں ہوتی ہے مگر کسائی سے مروی ہے کہ وہ

1۔ سنن دارقطنی، باب فی الصوم، باب قبلۃ الصائم، جلد 2، صفحہ 187، دار المحاسن

اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

**فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ** جب انہیں عذاب کا یقین ہو گیا تو اس کی کونچیں کاٹنے پر شرمندہ ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں تین دن کی مہلت دی تو ان پر ہر روز علامت ظاہر ہوتی انہوں نے شرمندگی کا اظہار کیا اور عذاب کے معاینہ کے وقت شرمندگی نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا، شرمندگی نے انہیں کوئی نفع نہ دیا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی بلکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو تلاش کیا تا کہ انہیں قتل کریں جب انہوں نے عذاب کو دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ندامت اس بچے کے چھوڑنے پر تھی کیونکہ انہوں نے اس بچے کو دوسروں کے ساتھ قتل نہ کیا تھا۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔

**اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** آخر تک کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ان لوگوں میں دو ہزار اور آٹھ سو افراد مردوں اور عورتوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ چار ہزار تھے۔ کعب نے کہا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم بارہ ہزار قبیلے تھے اور یہ قبیلہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھا قوم عاد ان سے چھ گنا بڑی تھی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۝١٦٠ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٦١ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝١٦٢ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٦٣ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦٤ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٦٥ وَتَذَرُوْنَ
مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝١٦٦ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ
يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝١٦٧ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝١٦٨ رَبِّ نَجِّنِيْ وَ
اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝١٦٩ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝١٧٠ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝١٧١ ثُمَّ
دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝١٧٢ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝١٧٣ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٧٤ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٧٥

''جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط نے: کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارا رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ، میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے۔ کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں۔

سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی پھر ہم نے نام و نشان مٹا دیا دوسروں کا اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز نہ آئے) بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا پروردگار ہی عزیز و رحیم ہے"۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ اس کا معنی اور قصہ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں مفصل گزر چکا ہے۔ الحمدللہ

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ وہ ان کی دبروں میں اپنی خواہش پوری کیا کرتے تھے وہ یہ عمل اجنبی اور مسافروں کے ساتھ کیا کرتے تھے، جس طرح سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ یعنی عورتوں کی شرمگاہیں چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنہیں نکاح کے لیے پیدا کیا۔ ابراہیم بن مہاجر نے کہا: مجاہد نے مجھ سے کہا حضرت عبداللہ اس آیت وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ کو کس طرح پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا: وتذرون ما أصلح لكم ربكم من أزواجكم۔ کہا مراد شرمگاہ ہے جس طرح ارشاد فرمایا: فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (البقرہ:222) بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہو۔ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ اے لوط! اگر تم اپنی اس بات سے نہ رکے۔ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ یعنی ہمارے ملک اور ہماری بستی سے نکالے جانے والوں میں سے ہو گے۔ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ یعنی لواطت کے عمل سے بغض رکھنے والا ہوں۔ قلی معنی بغض ہے قليته أقليه قلى وقلاء۔ شاعر نے کہا

فلستُ بمقلِي الخِلالِ ولا قالِي۔ نہ میں دوستوں کو ناراض کرنے والا ہوں اور نہ ہی بغض رکھنے والا ہوں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

عليكِ السلامُ لا مُلِلتِ قريبةً ومالكِ عندي إن نأيتِ قلاءُ

تجھ پر سلامتی ہو قریب ہو تو تجھ سے کوئی اکتاہٹ نہیں اگر تو دور ہو تو میرے نزدیک کوئی ناراضگی نہیں۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو ان کے عمل کے عذاب سے نجات عطا فرما۔

جب آپ ان کے عذاب سے مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ انہیں ان کا عذاب نہ پہنچے۔

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ان کے اہل میں ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں جس طرح سورۂ ہود میں گزرا ہے إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے غبرت في عذاب الله یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں باقی رہی۔ ابوعبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ معنی ہے وہ بڑھاپے میں باقی رہنے والوں میں سے ہوئی۔ یعنی وہ باقی رہی یہاں تک کہ بوڑھی ہو گئی۔ نحاس نے کہا: جانے والے کو غابر اور باقی رہنے والے کو بھی غابر کہتے ہیں۔ جس طرح شاعر نے کہا:

لا تكسعِ الشولَ بأغبارِها إنكَ لا تدري مَنِ الناتجُ

تیزی سے خدمت کرنے والے کو بچی کچھی چیز کے ساتھ نہ دھتکار تو نہیں جانتا کہ نتیجہ دینے والا کون ہے۔

اور جس طرح کہا:

فما وَنَیٰ محمدٌ مذ ان غَفَرَ لہ الإلٰہُ ما مَضَی وما غَبَرَ

حضرت محمد ﷺ کمزور نہ ہوئے جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ آنے والے اعمال کو معاف کر دیا۔

ما غبر سے مراد ما بقی ہے۔ اغبار سے مراد باقی ماندہ دودھ ہے۔

**ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ** ہم نے انہیں دھنسا کر اور پتھروں کی مار کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو زمین میں دھنسا دیا اور جو بستی سے باہر تھا اس پر پتھروں کی بارش کی۔

**وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا** یعنی پتھروں کی بارش کی۔

**فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت جبریل امین نے ان کی بستی کو زمین میں دھنسا دیا اور اس کے اوپر والے حصہ کو نیچے کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پتھروں کی بارش کی۔

**اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۚ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** اس میں کوئی مومن نہیں تھا مگر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر اور ان کی دو بیٹیاں۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّیْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَ مَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿١٨١﴾
وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿١٨٢﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ
مُفْسِدِیْنَ ﴿١٨٣﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ
الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿١٨٥﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿١٨٦﴾ فَاَسْقِطْ
عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٩٠﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿١٩١﴾

”جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے: کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں، پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیز میں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی

مخلوق کو۔ انہوں نے (جھلا کر) کہا: تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے، بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ، الایکہ، سے مراد گھنے کثیر درخت۔ اس کا واحد ایکہ ہے۔ جس نے اصحاب الایکہ قراءت کی تو یہی غیضہ ہے اور جس نے لیکۃ پڑھا ہے تو یہ بستی کا نام ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: بکہ اور مکہ کی مثل ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: ابو جعفر اور نافع نے کذب اصحاب لیکۃ المرسلین قراءت کی۔ اسی طرح سورۂ ص میں قراءت ہے۔ سورۃ الحجر میں قراء نے جر پر اتفاق کیا ہے۔ سورۃ ق میں جو ہے اس میں ضروری ہے کہ مختلف کو متفق علیہ کی طرف پھیر دیا جائے کیونکہ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبید نے جو حکایت بیان کی ہے کہ لیکہ اس بستی کا نام ہے جس میں وہ رہائش پذیر تھے اور ایکہ ان کے ملک کا نام تھا یہ ایسی چیز ہے جو ثابت نہیں۔ اور جس نے یہ قول کیا ہے: وہ بھی معروف نہیں کہ اس کا علم ثابت ہوتا۔ اگر اس کا قائل معروف ہوتا تو بھی اس میں اعتراض کی گنجائش ہوتی کیونکہ تمام علماء جو علماء تفسیر میں سے ہیں یا کلام عرب کے ماہرین ہیں وہ اس کے خلاف ہیں۔

عبداللہ بن وہب نے جریر بن حازم سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے اپنی قوم اہل مدین کی طرف اور اصحاب ایکہ کی طرف، ایکہ سے مراد گھنے درختوں کا دلدلی جنگل ہے۔ سعید بن قتادہ سے روایت نقل کی ہے: اصحاب ایکہ اہل غیضہ ہے اور اہل شجر ہیں ان کا عام درخت دوم تھا اور یہی مقل کا درخت ہے۔ ابن جبیر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: اصحاب ایکہ نکلے یعنی جب انہیں گرمی نے آلیا تو وہ غیضہ اور درختوں کی جگہ چلے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بادل کو بھیجا تو انہوں نے اس کے نیچے سایہ حاصل کیا۔ جب اس کے نیچے آ گئے تو انہیں جلا دیا گیا۔ اگر کوئی اور نہ ہو مگر جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایکہ سے مراد درخت ہے۔ ہم اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں پاتے سب کا اتفاق ہے کہ ایکہ سے مراد گھنا درخت ہے جہاں تک بعض لوگوں کے استدلال کا تعلق ہے جس نے اس آدمی کی قراءت سے استدلال کیا جس نے دونوں فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے کہ سواد میں لیکہ ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اس میں یہ قول کہ اس کی اصل ایکہ ہے پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی اور اس کی حرکت لام کو دی گئی تو ہمزہ حذف ہو گیا اور وہ الف وصلی سے مستغنی ہو گیا کیونکہ لام کو بعض اوقات حرکت دی جاتی ہے تو وہ کسرہ ہی ہوتی ہے جس طرح تو ہمزہ کی موجودگی میں بالاحمر اور تخفیف کی صورت میں بلحمر کہتا ہے اگر تو چاہے تو تو اس کو اس خط میں لکھ دے جس طرح میں نے پہلی دفعہ اسے لکھا ہے اگر تو چاہے تو حذف کے ساتھ کتابت کرے۔ پھر کسرہ کے بغیر کوئی صورت

جائز نہیں۔

سیبویہ نے کہا: جان لو جو اسم منصرف نہ ہو جب اس پر الف لام داخل ہو یا اسے مضاف کیا جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے اس مسئلہ میں سیبویہ کی مخالفت کی ہو۔ خلیل نے کہا: الایکہ سے مراد ایسا جنگل ہے جو بیری اور پیلو وغیرہ کے درخت اگاتا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ، اخوھم شعیب نہیں فرمایا کیونکہ وہ نسبی طور پر اصحاب ایکہ سے نہ تھے جب مدین کا ذکر کیا تو فرمایا: اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (اعراف: 85) فرمایا کیونکہ یہ نسبی طور پر انہیں میں سے تھے۔ ان کے نسب کے بارے میں قول سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم اہل مدین کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور اہل بادیہ جو اصحاب ایکہ ہیں ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کیا ہے: اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ان رسولوں کا جواب ایک ہی تھا اور ایک ہی صیغہ پر تھا کیونکہ وہ امر بالتقویٰ، طاعت اور عبادت میں اخلاص پر متفق تھے اور رسالت کی تبلیغ پر اجر لینے سے رکنے والے تھے۔

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ کیل اور وزن میں کمی کرنے والے نہ ہو۔ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ یعنی حق دار کا حق ادا کرو۔ سورۃ الاسراء اور دوسری سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ سورۂ ہود اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ مجاہد نے کہا: جبلۃ سے مراد خلیقہ ہے جبل فلان علی کذا یعنی اسے فلاں پر پیدا کیا گیا۔ فالخُلُق جِبِلّة و جبلة و جِبْلة و جُبْلة جَبْلَة۔ نحاس نے اسے قرآن کے معانی میں ذکر کیا ہے۔ والجبلۃ کا عطف کاف اور میم پر ہے۔ ہروی نے کہا: الجِبِلّة، الجُبُلّة، والجِبل، والجُبُل، والجَبْل سب لغتیں ہیں یہ لوگوں میں سے کثیر تعداد والی جمعیتیں ہیں۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جِبِلًّا كَثِیْرًا (یٰسین: 62)

نحاس نے کتاب "اعراب القرآن" میں کہا: کہا جاتا ہے جبلۃ دونوں کی جمع جبال آتی ہے۔ باء سے ضمہ اور کسرہ حذف ہو جاتا ہے اسی طرح لام سے شد کو حذف کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے جُبْلة و جُبَل۔ اسی طرح جِبلة و جِبال ہے۔ سب سے ھاء حذف کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے ان سے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے والجبلۃ الاولین جیم اور باء پر ضمہ ہے شیبہ اور اعرج سے بھی مروی ہے باقیوں نے کسرہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ شاعر نے کہا:

والموتُ أعظمُ حادثٍ فیما یَمُرُّ علی الجِبِلّة(1)

موت بڑا حادثہ ہوتا ہے جو مخلوق پر گزر جاتا ہے۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ جو کھانا کھاتے ہیں اور مشروب پیتے ہیں۔ وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ہم یہی گمان کرتے ہیں کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس میں آپ جھوٹے ہیں۔

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 242

فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یعنی آسمان کی جانب اور اس کا ٹکڑا ہم پر گرا دیں اور ہم اسے دیکھیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ (الطور) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم پر عذاب نازل کیا جائے۔ یہ جھٹلانے میں مبالغہ ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: کِسَف یہ کسفہ کی جمع ہے جس طرح سِدر یہ سدرہ کی جمع ہے۔ سلمی اور حفص نے کہا: کسفا یہ کسفہ کی جمع ہے اس سے مراد ٹکڑا اور جانب ہے اس کی تقدیر کِسَفا اور کِسَا ہے۔ جوہری نے کہا: کسفہ سے مراد شے کا ٹکڑا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اعطنی کسفة من ثوبك اس کی جمع کیسف اور کسف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: الکسف والکسفة واحد۔ یعنی یہ دونوں ایک ہیں۔ اخفش نے کہا: جس نے کسفا پڑھا اس نے اسے واحد بنایا اور جس نے اسے کِسَفًا پڑھا ہے اس نے اسے جمع بنایا ہے۔ سورۂ اسراء میں یہ بحث گزری ہے۔ ہروی نے کہا: جس نے کسفا واحد پڑھا ہے اس کی جمع اکساف اور کسوف آتی ہے گویا فرمایا: او نسقط علینا طبقا واحدا یہ کَسَفۡتُ الشیء کسفا سے مشتق ہے جب تو اس کو ڈھانپ دے۔

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ اس میں دھمکی ہے، یعنی مجھ پر تبلیغ حق پہچانا ہے۔ یعنی وہ عذاب جس کا تم مجھ سے سوال کرتے ہو وہ میرے قبضہ میں نہیں اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں سخت گرمی نے آلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل ان کی طرف بھیجا وہ بھاگ کر اس بادل کی طرف گئے تاکہ اس سے سایہ حاصل کریں جب وہ سارے اس کے نیچے جمع ہو گئے تو ان پر چیخ ماری گئی تو سب ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اس بادل کو ان کے سروں پر کھڑا کر دیا اور اسے گرمی سے بھڑکا دیا یہاں تک کہ وہ راکھ سے مر گئے۔ دنیا میں یہ دن عذاب کے اعتبار سے سب سے بڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر بادِ سموم بھیجی وہ ایکہ کی طرف نکلے تاکہ وہ اس سے سایہ حاصل کریں تو اللہ تعالیٰ نے اسے دن پر آگ کی صورت میں بھڑکا دیا تو وہ سب جل گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی اور دوسرے علماء سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید گرمی کو بھیجا جس نے ان کی سانسوں کو گرفت میں لے لیا وہ ان کے گھروں میں داخل ہو گئے انہیں نہ کوئی سایہ نفع دیتا اور نہ ہی پانی۔ گرمی نے ان کو پکا دیا وہ بھاگ کر جنگل کی طرف گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل کو بھیجا اس نے ان پر سایہ کر دیا انہوں نے اس کی ٹھنڈک، راحت اور عمدہ خوشبو پائی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بلایا جب وہ سب بادل کے نیچے جمع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کو بھڑکا دیا زمین میں زلزلہ برپا ہو گیا تو وہ یوں جل گئے جس طرح کڑاہی میں مکڑی جل جاتی ہے تو وہ سارے کے سارے راکھ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے: فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا (ہود)

فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان سے سات سال تک ہوا کو روک لیا ان پر گرمی کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ اس نے ان کی سانسوں کو اپنی گرفت میں لے لیا سایہ اور پہاڑ نے ان کو کوئی نفع نہ دیا وہ درندوں کے کھوہوں میں داخل ہوئے تاکہ اس سے ٹھنڈک حاصل کریں تو وہ اس کے ظاہر سے اندر زیادہ

شدید گرمی پاتے وہ جنگل کی طرف بھاگے ان پر بادل نے سایہ کر لیا یہی ظلہ تھا انہوں نے اس ٹھنڈک اور باد نسیم کو پایا اس بادل نے ان پر آگ کو برسایا تو وہ جل گئے۔ یزید جریری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن اور سات راتیں گرمی کو مسلط کیا پھر ان کے لیے دور سے ایک پہاڑ بلند کیا گیا ایک آدمی اس کے پاس آیا وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے نیچے نہریں، چشمے، درخت اور ٹھنڈا پانی ہے سب اس کے نیچے جمع ہو گئے پہاڑ ان پر آپڑا جب کہ وہ ظالم تھے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب ایکہ کو ظلم سے ہلاک کر دیا جہاں تک اصحاب مدین کا تعلق ہے تو حضرت جبریل امین نے ان پر چیخ ماری تو وہ سب ہلاک ہو گئے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں امتوں میں سے نو سو افراد حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لائے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

''اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے، یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے اور اس کا (ذکر خیر) پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے''۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سورت کے آغاز میں جس کا ذکر ہے اس کی طرف رجوع کیا کہ مشرکین نے قرآن سے اعراض کیا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ، نزل کو نافع، ابن کثیر اور ابو عمر نے مخفف پڑھا باقی قراء نے نزل کو مشدد پڑھا ہے بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ منصوب ہے۔ وہ ابو حاتم اور ابو عبید کا پسندیدہ قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ یہ نزل کا مصدر ہے۔ جس نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ کہے یہ مقدر نہیں کیونکہ معنی ہے قرآن رب العالمین کی نازل شدہ ہے جسے جبریل امین نے تیری طرف نازل کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (البقرہ: 97) یعنی وہ تجھ پر اسے تلاوت کرتا ہے اور تیرا دل اسے یاد کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تیرا دل ثابت رہے۔

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ تاکہ یہ نہ کہیں جو تو کہتا ہے: ہم اسے نہیں سمجھتے۔ وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ان کے نزول کا ذکر انبیاء کی کتب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلوں کی کتابوں میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف: 157) زُبُر کا معنی کتابیں ہیں واحد زبور ہے جس طرح رسول کی جمع رسل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ

الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

''کیا نہیں تھی (ان مشرکین مکہ) کے لیے آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء اور اگر ہم اتارتے قرآن کو کسی غیر عربی پر پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب وہ ایمان لانے والے نہیں تھے یونہی ہم نے داخل کر دی ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو سو وہ آئے گا ان پر اچانک اور انہیں اس (کی آمد) کا احساس ہی نہ ہو گا تب (بصد حسرت) کہیں گے: کیا ہمیں مزید مہلت ملے گی؟ کیا وہ اب ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں''۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مجاہد نے کہا: مراد عبد اللہ بن سلام، سلمان اور ان دونوں کے علاوہ جو مسلمان ہوئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل مکہ نے یہودیوں کی طرف پیغام بھیجا جو مدینہ طیبہ میں تھے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان سے سوال کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: یہ اس نبی کا زمانہ ہے ہم تورات میں اس کی نعت اور صفت پاتے ہیں (2)۔ لفظ علماء ان سب کی طرف راجع ہے جو ان کی کتابوں کا علم رکھتے وہ یہی گفتگو کرتے جو وہ اسلام لایا نہ لایا اہل کی کتاب کی گواہی مشرکوں کے خلاف دلیل بن گئی کیونکہ وہ دینی امور میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ وہ اس کا علم رکھتے ہیں۔ ابن عامر نے اولم تکن لھم آیۃ قراءت کی باقی قراء نے أولم یکن لھم آیۃ نصب کے ساتھ قراءت کی ہے یہ خبر ہے اور یکن کا اسم أن یعلمہ ہے تقدیر کلام یہ ہے أولم یکن لھم علم علماء بنی اسرائیل الذین أسلموا آیۃ واضحۃ پہلی قراءت کی صورت میں کان کا اسم آیۃ ہے خبر أن یعلمہ علماء بنی اسرائیل ہے۔ عاصم جحدری نے قراءت کی أن تعلمہ علماء بنی اسرائیل۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ایسے آدمی پر جو عربی زبان والا نہیں۔ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ لغت عرب کے بغیر ان پر پڑھتا تو وہ ایمان نہ لاتے اور کہتے ہم اسے سمجھے ہی نہیں۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا (فصلت: 44) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم اسے غیر عربی آدمی پر بھیجتے تو تکبر کی وجہ سے وہ ایمان نہ لاتا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل اعجمی واعجم۔ جب وہ فصیح نہ ہو اگرچہ وہ عربی ہو۔ رجل عجمی اگرچہ فصیح ہو اسے اپنے اصل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر فراء نے اجازت دی ہے کہ یہ کہا جائے: رجل عجمی یہ اعجمی کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری نے علی بعض الاعجمیین قراءت کی ہے یعنی مشدد پڑھا ہے دو یاء ہیں اسے اسم منسوب بنایا ہے جس نے الْاَعْجَمِيْنَ قراءت کی تو ایک قول یہ کیا گیا: یہ اعجم کی جمع ہے۔ اس میں بعد ہے، کیونکہ وہ اسم جو صفات میں سے ہو جس کی مونث فعلاء کے وزن پر ہو اس کی جمع واؤ اور نون سے نہیں بنائی جاتی اور نہ ہی الف اور تاء سے جمع بنائی جاتی ہے نہ احمرون کہا جاتا ہے اور نہ

1۔ تفسیر طبری 2۔ تفسیر بغوی

حمراوات کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل اعجمین ہے جس طرح جحدری کی قراءت ہے پھر یا نسبت کو حذف کر دیا اور اس کی جمع یاء اور نون سے بنائی جو اس پر دلیل ہے یہ ابوالفتح عثمان بن جنی نے کہا: یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔

**كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ**، ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن کا کفر۔ **فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان کے دل میں تکذیب کو داخل کر دیا یہی وہ چیز تھی جس نے انہیں ایمان سے روک دیا: یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: ہ ضمیر سے مراد قسم ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ سورۂ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ فراء نے لا یومنون میں جزم کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس پر شرط اور جزا کا معنی موجود ہے۔ یہ گمان کیا گیا ہے کہ عربوں کا معمول ہے جب لا کوئی لائی جگہ رکھا جائے جس طرح یہاں ہے تو بعض اوقات یہ مابعد کو جزم دیتا ہے اور بعض اوقات وہ اسے رفع دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: ربطت الفرس لا ینفلت فعل مضارع پر رفع اور جزم دونوں جائز ہیں کیونکہ اس کا معنی ہے اگر میں اس کو نہ باندھتا تو وہ کھسک جاتا اور رفع کیلا ینفلت کے معنی میں ہے۔ بنی عقیل کے آدمی کا شعر پڑھا:

وحتّی رأینا أحسنَ الفعلِ بیننا　مُسَاکَنَةٌ لا یقرِفُ الشَّرَّ قارِفُ

لا یقرف مرفوع ہے کیونکہ کی محذوف ہے۔

اور جزم دوسرے کے قول میں ہے:

لطالَما حَلَأْتُماهَا لا ترِدْ　فخلِّیا ھما والسِّجالَ تبْترِدْ

محل استدلال تبترد ہے۔

نحاس نے کہا: یومنون میں یہ سب کچھ بصریوں کے نزدیک خطا ہے جازم کے بغیر جزم جائز نہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو عمل کرے اور جب اسے حذف کیا گیا تو وہ ایسا عمل کرے جو اس کے اس عمل سے اقوی ہو جب کہ وہ موجود ہے۔ یہ واضح استدلال ہے۔

**حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً**، **فَيَاْتِيَهُمْ** کا فاعل العذاب ہے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا فتاتیھم معنی ہے قیامت ان پر اچانک آ جائے گی۔ اسے مضمر کیا گیا ہے، کیونکہ العذاب اس پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ الساعۃ کا ذکر قرآن میں کثرت سے واقع ہوا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے کہا جب کہ آپ نے فتاتیھم پڑھا: اے ابا سعید! عذاب ان پر اچانک آ جائے گا؟ تو آپ نے اسے جھڑکا، فرمایا: وہ قیامت ہے جو ان پر اچانک آئے گی۔

**وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** وہ اس کے آنے کا احساس بھی نہ کریں گے۔

**فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ** کیا ہمیں مہلت دی جائے گی وہ وہاں رجوع کا مطالبہ کریں گے تو انہیں کوئی جواب نہ دیا جائے گا۔ قشیری نے کہا فیاتیھم اس کا عطف حتی یروا پر نہیں بلکہ یہ لا یومنون کے قول کا جواب نہیں۔ جب یہ نفی کا جواب ہے تو اس کو نصب دی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَيَقُوْلُوْا**۔

**اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا**

يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

''کیا وہ اب ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال پھر (یہ عرصہ گزرنے کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا تو کیا نفع دیں گے انہیں (اس وقت) وہ (ساز و سامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے یاددہانی کے لیے اور ہم ظالم نہیں تھے''۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ مقاتل نے کہا: مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اے محمد! کب تک آپ ہمیں عذاب کی دعوت دیتے رہیں گے اور اس کو لائیں گے نہیں؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ یعنی دنیا میں ہم لطف اندوز ہوتے رہیں۔ ضحاک اور دوسرے علماء کے نزدیک مراد اہل مکہ ہیں۔ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ عذاب اور ہلاکت جس کی انہیں دھمکی دی جاتی تھی۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ پہلا ما استفہامیہ ہے اس کا معنی تقریر ہے اغنی کی وجہ سے یہ محل نصب میں ہے۔ دوسرا ما محل رفع میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دوسرا ما نافیہ ہو اس کا کوئی محل اعراب نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا ما نافیہ ہے اور دوسرا ما، اغنی کی وجہ سے محل رفع میں ہو ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ما أغنی عنهم الزمان الذی کانوا یمتعون زہری سے مروی ہے حضرت عمر بن عبد العزیز جب صبح کرتے تو اپنی داڑھی کو پکڑ لیتے پھر اسے پڑھتے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ پھر روتے اور کہتے:

نهارُك يا مغرورُ سهوٌ و غفلةٌ ... وليلُك نومٌ والرَّدى لك لازمٌ
فلا أنتَ فی الأيقاظ يقظانُ حازمٌ ... ولا أنتَ فی النُّوَّام ناجٍ فسالمُ
تُسَرُّ بما يَفْنَى و تفرحُ بالمنى ... كما سُرَّ باللذات فی النوم حالمُ
وتَسعى إلى ما سوف تكرهُ غِبَّهُ ... كذلك فی الدنيا تَعيشُ البهائمُ

اے دھوکہ میں مبتلا شخص تیرا دن بھول اور غفلت میں ہے اور تیری رات نیند میں ہے ہلاکت تجھے لازم ہے۔ تو بیداری میں بیدار اور محتاط نہیں نہ ہی تو سونے والوں میں نجات پانے والا اور سلامت رہنے والا ہے۔ جو چیز فانی ہے اس سے تو خوش ہوتا ہے اور تو آرزوؤں پر خوش ہوتا ہے جس طرح لذات سے نیند میں خواب دیکھنے والا خوش ہوتا ہے۔ تو اس کی طرف دوڑتا ہے جس کو تو کل ناپسند کرے گا جس طرح دنیا میں چوپائے خوش ہوتے ہیں۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ من زائدہ ہے معنی ہے وما اهلكنا قرية، اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ مگر اس کے لیے رسل تھے۔

ذِكْرٰى کسائی نے کہا: حال ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے (1)۔ نحاس نے کہا: یہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں فراء اور

1۔ بحر الوجیز، جلد 4، صفحہ 244

ابو اسحاق کا قول ہے کہ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے یذ کرون ذکری۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ کا معنی ہے مگر اس کے لیے نصیحت کرنے والے ہوتے ہیں۔ ذِكۡرٰى میں اعراب واضح نہیں ہوتا کیونکہ اس میں الف مقصورہ ہوتا ہے۔ اسے تنوین کے ساتھ ذکری پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو اور اس کا مبتدا مضمر ہو۔ ابو اسحاق نے کہا: ہمارا ڈرنا نصیحت ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ذلك ذکری و تلك ذکری۔ ابن انباری نے کہا: بعض مفسرین نے کہا سورۂ شعراء میں کسی جگہ وقف تام نہیں ہوتا مگر اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ پر وقف تام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ وقف حسن ہے پھر کلام کو شروع کرے۔ ذِكۡرٰى کلام یہ بنے گی ھی ذکری یعنی انہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ ذِكۡرٰى پر وقف عمدہ ہے۔ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ یعنی انہیں عذاب دینے میں ہم ظالم نہیں کیونکہ ہم نے ان پر حجت مکمل کر دی ہے اور تمام عذر ختم کر دیے ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۲۱۳﴾

''اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو ان کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ پس نہ پکارا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو، ورنہ تو ہو جائے گا ان لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے''۔

وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ، ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے بلکہ اسے روح الامین نے نازل کیا ہے۔

وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ جس طرح سورۂ حجر میں بیان کیا گیا ہے انہیں شہاب مار کر سننے سے روک دیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور محمد بن سمیقع اسے وما تنزلت بہ الشیاطون پڑھا کرتے۔ مہدوی نے کہا: یہ لغت عرب میں جائز نہیں اور خط کے مخالف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام نحویوں کے نزدیک غلط ہے۔ میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتے میں نے محمد بن زید کو کہتے ہوئے سنا: یہ علماء کے نزدیک غلط ہے یہ شبہ کے داخل ہونے کی وجہ سے ہوا جب حضرت حسن بصری نے اس کے آخر میں یاء اور نون دیکھا جب کہ یہ محل رفع میں ہے تو ان پر جمع سالم کے اعتبار سے اشتباہ ہوا تو ان سے غلطی ہوئی۔ حدیث میں ہے'' عالم کی لغزش سے بچو(1)''۔ جب کہ انہوں نے لوگوں کے ساتھ پڑھا وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ (البقرہ: 14) اگر یہ محل رفع میں واؤ کے ساتھ ہو تو اضافت کی وجہ سے نون کا حذف واجب ہوتا۔ ثعلبی نے کہا: فراء نے کہا حضرت حسن بصری نے غلطی کی۔ یہ نصر بن شمیل سے ذکر کیا گیا تو کہا: اگر روبہ، عجاج اور ان جیسے لوگوں کے قول سے استدلال کرنا جائز ہے تو حضرت حسن بصری اور ان کے اصحاب کے قول سے بھی استدلال کرنا جائز ہے۔ ساتھ ساتھ ہم جانتے ہیں انہوں نے اسے نہیں پڑھا مگر انہوں نے اس بارے میں کوئی روایت سنی ہوگی۔ مورج نے کہا: اگر لفظ شیطان شاط، یشیط سے مشتق ہو تو ان دونوں کی قراءت کی کوئی توجیہ ہو سکتی ہے۔ یونس بن حبیب نے کہا: میں نے ایک اعرابی کو کہتے ہوئے

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الشہادات، باب ماتجوز بہ شہادۃ اہل الھواء، جلد 10 صفحہ 211، دار الفکر

سنا: دخلنا بساتین من ورائها بساتون۔ میں نے کہا: یہ قول حضرت حسن بصری کی قراءت کے کتنے زیادہ مشابہ ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اسے کہو جو اس کا انکار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اگرچہ آپ ایسا نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ معصوم اور چنے ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ آپ کو خطاب کیا گیا اور مقصود اس کا غیر ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشعراء) وہ اپنے نسب اور قرابت پر بھروسہ نہ کریں کہ وہ ان امور کو چھوڑ دیں جو ان پر واجب ہیں۔

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور آپ نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ ڈرانے میں قریبی رشتہ داروں کو خاص کیا ہے تاکہ تمام قبیلہ اور اجنبی لوگوں کی طمع ختم ہو جائے جب ان کے شرک پر رہتے ہوئے آپ انہیں چھوڑ جائیں۔ قریبی عشیرہ سے مراد قریش ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنو عبد مناف ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث واقع ہے ''اپنے قریبی رشتہ داروں اور مخلص ساتھیوں کو ڈرائیں'' (1)۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ قرآن تھا جو تلاوت کیا جاتا تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا کیونکہ مصحف میں نقل ثابت نہیں اور نہ ہی یہ تواتر سے ثابت ہے اس کے ثبوت پر اشکال لازم آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ کسی کو نہ ڈرائیں مگر جو آپ کے عشیرہ میں سے ایمان لائے، کیونکہ مومن ہی وہ لوگ ہیں جو اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اخلاص کی صفت سے متصف ہیں نہ کہ مشرک اس سے متصف ہیں کیونکہ مشرک ان میں سے کسی چیز پہ نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام عشیرہ کو دعوت دی وہ مومن تھا یا کافر تھا۔ آپ نے سب کو ڈرایا اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو ڈرایا اور جو ان کے بعد آئیں گے ان کو ڈرایا۔ نہ یہ نقلاً ثابت ہے اور نہ ہی معنی ثابت ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر فھو فی النار ولا تنالہ شفاعۃ ولا تنفعہ قرابۃ المقربین، جلد 1، صفحہ 114، قدیمی کتب خانہ

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو دعوت دی وہ سب عام وخاص جمع ہو گئے۔ فرمایا: ''اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ (1)۔ اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنے نفس کو آگ سے بچاؤ۔ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے میں دنیا میں تمہارے ساتھ صلہ رحمی کروں گا اور آخرت میں تمہیں کوئی نفع نہ دوں گا''۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس حدیث اور آیت میں دلیل ہے کہ اسباب میں بعد ہوتے ہوئے انساب کا قرب بندے کو نفع نہ دے گا۔ اس امر کے جواز پر دلیل ہے کہ مومن کافر کے ساتھ صلہ رحمی کرسکتا ہے اس کی رہنمائی کرسکتا ہے اور اخلاص کا مظاہرہ کرسکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان لکم رحما سابلها ببلالها تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے میں دنیا میں تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ (الممتحنہ: 8) جس کی وضاحت آگے آئے گی۔

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ سورۂ حجر اور سورۂ اسراء میں یہ بحث گزر چکی ہے خفض جناحه اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ نرمی کرے۔ فَاِنْ عَصَوْكَ تیرے امر کی مخالفت کریں۔ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ تم جو میری نافرمانی کرتے ہو میں اس سے بری ہوں کیونکہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا حکم نہیں دیتے مگر اسی امر کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براءت کا اظہار کردیں اللہ تعالیٰ اسی سے براءت کا اظہار کردیتا ہے۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ اپنے امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں، کیونکہ وہی غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ وہ رحیم ہے وہ اپنے دوستوں کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑتا۔ عام قراءت وتوکل واؤ کے ساتھ ہے اسی طرح ان کے مصاحف میں ہے۔

نافع اور ابن عامر نے فتوکل فاء کے ساتھ پڑھا ہے (2) اسی طرح مدینہ اور شام کے مصاحف میں ہے۔ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق: جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو؛ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا یہی قول ہے۔ مجاہد نے کہا: جہاں کہیں ہوں، تو جب کھڑے ہوں (3)۔ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ مجاہد اور قتادہ نے کہا: الساجدین سے مراد نمازیوں میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آباء کی پشتوں میں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں تک کہ آپ کو نبی کی حیثیت سے نکالا۔ عکرمہ نے کہا: آپ کو قیام کرتے ہوئے رکوع کرتے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تناله شفاعة ولا تنفعه قرابة المقربین، جلد 1، صفحہ 114، قدیمی کتب خانہ

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 245

3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 246

ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ قول بھی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے آپ نماز میں اپنے دل سے اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو دیکھتے ہیں جس طرح آپ اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے والے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ مجاہد سے مروی ہے ماوردی اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے نبی کریم ﷺ اپنے پیچھے والے لوگوں کو اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے والوں کو دیکھا کرتے تھے۔ یہ صحیح میں ثابت ہے۔ آیت کی یہ تاویل بعید ہے: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

"کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر نرے جھوٹے ہیں"۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۔ تنزل فرمایا کیونکہ اکثر یہ ہوا میں ہوتا ہے اور ہوا میں گزرتا ہے۔ يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ سورۂ حجر میں بحث گزر چکی ہے۔ يُلْقُوْنَ السَّمْعَ یہ شیاطین کی صفت ہے وَاَكْثَرُهُمْ یہ کاہنوں کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شیاطین کی طرف راجع ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

"اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں اور وہ کہا کرتے تھے ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظلم و ستم کیے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ کر آ رہے ہیں"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ الشُّعَرَآءُ۔ یہ شاعر کی جمع ہے جس طرح جاہل کی جمع جہلاء ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کفار ہیں ان کی جنوں اور انسانوں میں گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْغَاوٗنَ سے مراد حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ شعراء بھی گمراہ ہیں کیونکہ اگر وہ گمراہ نہ ہوتے تو ان کے پیروکار گمراہ نہ ہوتے ہم سورۂ نور میں بیان کر چکے ہیں کہ کن اشعار کو پڑھنا جائز ہے، کن کو پڑھنا مکروہ ہے اور کن کو پڑھنا حرام ہے۔ امام مسلم نے عمرو بن شرید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا

ہوا تھا پوچھا: ''کیا تیرے پاس امیہ بن صلت کا شعر ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''کچھ کہو''۔ میں نے ایک شعر پڑھا۔ فرمایا: ''کچھ اور پڑھو''۔ میں نے ایک اور شعر پڑھا۔ فرمایا: ''کچھ اور کہو'' یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے(1)۔

یہی اس سند سے صحیح ہے۔ امام مسلم کے ایک راوی نے یوں روایت کی ہے عمرو بن شرید اپنے باپ سے، اس میں وہم ہے کیونکہ شرید کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ابو شرید کا نام سوید تھا۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اشعار کو یاد کیا جائے اور ان کو ملحوظ رکھا جائے جب وہ حکمتوں اور مستحسن معانی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوں۔ وہ معانی شرعی طور پر مستحسن ہوں یا طبعی طور پر مستحسن ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امیہ بن ابی صلت کے اشعار اکثر سنا کرتے تھے کیونکہ وہ حکیم تھا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں دیکھا: ''قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت مسلمان ہو جاتا''۔ رہے وہ اشعار جو اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی حمد اور اس کی ثنا کو اپنے ضمن میں لیے ہوتے ہیں تو وہ مندوب ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی کہنے والا کا قول ہے:

الحمد لله العلی المنان　　صار الثرید فی رؤس العیدان

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور مدح ہو جس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اشعار ہیں۔

مِن قبلها طِبْتَ فی الظِّلال وفی　　مستودعٍ حیث یُخْصَفُ الورقُ

ثم هبطت البلاد لا بشرٌ　　أنت ولا مُضْغَةٌ ولا عَلَقُ

پھر تو شہروں کی طرف اترا نہ تو بشر ہے، نہ مضغہ ہے اور نہ ہی علق ہے۔

بل نطفة ترکب السَّفِینَ وقد　　ألجَمَ نَسْرًا وأهلَه الغَرَقُ

تنقل من صالب إلی رَحِم　　إذا مَضَی عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ

تو پشت سے رحم کی طرف منتقل ہوتا ہے جب ایک عالم (زمانہ) گزر جاتا ہے تو دوسرا زمانہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: لا یَفْضُضِ اللہ فاك اللہ تعالیٰ تیرے دانت سلامت رکھے۔ یا شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرے جس طرح حضرت حسان کا قول:

هجوتَ محمدًا فأجبتُ عنه　　وعند الله فی ذلك الجزاءُ

تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے آپ کی طرف سے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بارے میں جزا ہے۔

یہ وہ اشعار ہیں جن کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا یہ سیرت میں مکمل ہیں۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ جس طرح زید بن اسلم نے روایت کی ہے۔

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نگہبانی کے لیے نکلے تو آپ نے ایک گھر میں چراغ دیکھا کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اون دھنک رہی تھی اور کہہ رہی تھی:

علی محمدٍ صلاة الأبرار　　صلی علیه الطیبون الأخیار

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 2، صفحہ 239

قد كنتَ قوّامًا بُكًا بالأسحارْ يالیتَ شِعْری والمنایا أطوارْ

هل يَجمعنّي وحبيبي الدارْ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ابرار کا درود ہو آپ کے پاکیزہ اور نیک لوگوں کا درود ہو آپ قیام کرنے والے تھے سحری کے وقت رونے والے تھے کاش میں جانتا جب کہ موتیں پے در پے واقع ہونے والی ہیں۔ کیا دار مجھے اور میرے حبیب کو جمع کرے گا۔ مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ذکر اور ان کی مدح کرنا۔ محمد بن سابق نے کتنا اچھا کیا جب کہا:

إنّي رضيتُ عليا للهُدَى عَلَمَا كما رضيتُ عَتيقًا صاحبَ الغارِ

وقد رضيتُ أباحفصٍ و شيعَتَه وما رضيتُ بقتل الشيخِ في الدارِ

كلُّ الصحابة عندى قُدوةٌ عَلَمٌ فهل علىّ بهذا القول من عارِ

إن كنتَ تعلم أنّي لا أحبُّهُمُ إلّامن اجلك فاعتقنى من النّار

میں حضرت علی پر راضی ہوں وہ ہدایت کے نشان ہیں جس طرح میں عتیق پر راضی ہوں جو صاحب غار ہیں ابو حفص اور ان کے حمایتیوں پر راضی ہوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں قتل پر راضی نہیں۔ میرے نزدیک تمام صحابہ مقتدیٰ ہیں۔ کیا ایسے قول کی وجہ سے مجھ پر کوئی شرمندگی ہو سکتی ہے؟ اے میرے رب! اگر تو جانتا ہے کہ میں ان سے صرف تیری وجہ سے محبت کرتا ہوں تو مجھے آگ کے عذاب سے نجات عطا فرما۔

ایک اور نے اشعار کہے اور خوب کہے:

حُبُّ النّبِی رسول الله مُفْتَرَضٌ وحُبُّ أصحابِه نورٌ ببرهانِ

من كان يعلم أن الله خالقه لا يرمينّ أبابكرٍ ببهتانِ

ولا أبا حفص الفاروقَ صاحبَه ولا الخليفة عثمان بن عفانِ

أمّا علىٌ فمشهورٌ فضائلُه والبيت لا يَستوِى إلّا بأركانِ

نبی جو رسول اللہ ہیں ان کی محبت فرض ہے اور آپ کے صحابہ کی محبت نور ہے جس کے ساتھ برہان ہے جو یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے وہ حضرت ابو بکر صدیق پر بہتان نہیں لگائے گا۔ وہ ابو حفص فاروق جو حضور کے صحابی ہیں پر اور نہ خلیفہ عثمان بن عفان پر بہتان لگائے گا۔ جہاں تک حضرت علی کا تعلق ہے تو ان کے فضائل مشہور ہیں اور گھر ارکان کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک تشبیہات میں استعارات کا تعلق ہے تو ان اشعار میں اس کی اجازت ہے اگرچہ تو اس میں مستغرق ہو جائے اور معتاد طریقہ سے تجاوز کر جائے۔ اسی وجہ سے وہ فرشتہ جو خوابوں پر مقرر ہے وہ مثالیں بیان کرتا ہے۔

حضرت کعب بن زہیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی:

بانت سعادُ فقلبی مَتبُولُ مُتَيَّمٌ إِثْرَها لم يُفْدَ مَكْبُولُ

وما سُعادُ غَداۃَ البَیْنِ إذ رَحَلُوا إِلّا أَغَنّ غَضِیضُ الطَّرْفِ مَکحولُ

تَجلُو عَوارِضَ ذِی ظَلْمٍ إذا إبتسمتْ کأنّہ مُنْھَلٌ بالرَّاحِ مَعْلولُ

سعاد جدا ہوگئی تو میرا دل اس کے پیچھے اس کی محبت کی وجہ سے بیمار، ذلیل اور قید ہے جس کا فدیہ نہیں دیا گیا جب انہوں نے کوچ کیا تو جدائی کی صبح سعاد نہیں تھی مگر گنگنانے والی، آنکھیں جھکی ہوئی جن میں سرمہ لگا ہو جب وہ مسکراتی تو تر چمکدار دانتوں کو ظاہر کرتی گویا وہ ایسا گھاٹ ہے جس سے کوچ کرتے وقت دوسری دفعہ پانی لیا گیا ہو۔

اس قصیدہ میں ہر طرح کے استعارات اور تشبیہات آتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنتے اور اس نے ریق (لعاب) کو راح (شراب) سے جو تشبیہ دی اس کو ناپسند نہیں کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

فَقَدْنَا الوحیَ إذ ولّیتَ عنّا وودَّعَنَا من اللہ الکلامُ

سوی ما قد ترکتَ لنارھنیًا تَوارَثَہ القَرَاطیسُ الکرامُ

فقد أورثتَنا میراثَ صدقٍ علیک بہ التحیۃ والسلامُ

جب آپ نے ہم سے رخ انور پھیرا تو وحی ہم سے مفقود ہوگئی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام نے ہمیں الوداع کیا سوائے اس چیز کے جو آپ نے ہمارے لیے قابل ضمانت چھوڑی جسے معزز صحیفے محفوظ کیے ہوئے ہیں تحقیق آپ نے ہمیں سچائی کی میراث عطا کی اس وجہ سے آپ پر صلوٰۃ و سلام ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنتے اور حضرت ابو بکر صدیق اسے پڑھتے کیا اس سے بہتر تقلید کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ ابو عمر نے کہا: اہل علم اور اہل دانش میں سے کوئی بھی اچھے شعر کو ناپسند نہیں کرتا کبار صحابہ، اہل علم، مقتدیٰ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں مگر اس نے شعر کہا، اس کو سنا اس میں جو حکمت یا مباح امر تھا اس میں کوئی فحش بات نہ تھی اور نہ ہی کسی مسلم کے لیے اذیت کا تصور تھا اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔ جب وہ اس طرح ہو یعنی وہ فحش ہو یا اذیت ہو وہ شعر اور اس جیسی نثر دونوں برابر ہیں۔ اس کا سننا اور اس کا قول کرنا حلال نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: أصدق کلمۃ أو أشعر کلمۃ قالتھا العرب قول لبید ألا کلُّ شیءٍ ما خلا اللہَ باطلُ (1) سب سے سچی کلمہ جو عربوں نے کہا وہ لبید کا قول ہے: خبردار اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے۔

امام مسلم نے اسے نقل کیا اور یہ اضافہ کیا "قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت مسلمان ہو جاتا"۔ ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے شعر پڑھا تو پاس بیٹھنے والے لوگوں میں سے ایک نے کہا: اے ابو بکر تیری مثل آدمی شعر کہتا ہے۔ فرمایا: تو ہلاک ہو یالکع۔ شعر بھی ایک کلام ہے قوافی کے علاوہ دوسرے کلاموں کے مخالف نہیں۔ ان میں سے اچھا اچھا ہے قبیح قبیح ہے۔ وہ شعر کا باہم ذکر کیا کرتے تھے۔ کہا میں نے حضرت ابن عمر کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا:

یُحِبُّ الخمرَ من مالِ النّدامیٰ ویکرہُ أن یفارقَہ الفُلُوسُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 2، صفحہ 239

وہ مجلس کے مال سے شراب پسند کرتا ہے اور یہ ناپسند کرتا ہے کہ عکوس اس سے جدا ہو۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود جو مدینہ طیبہ کے دس فقہاء میں ایک، پھر سات شعراء میں سے ایک تھے وہ بہت عمدہ شاعر اور اس میں مقدم تھے۔ زبیر بن بکار جو قاضی تھے ان کی اشعار کے بارے میں کتاب ہے۔ اس کی ایک خوبصورت بیوی تھی جس کا نام عثمہ تھا کسی وجہ سے قاضی اس پر ناراض ہوئے اور اسے طلاق دے دی قاضی کے اپنی بیوی کے بارے میں بے شمار اشعار ہیں ان میں سے یہ بھی ہیں:

تَغلغَل حُبُّ عَثْمَةَ فی فؤادی فبادیه مع الخافی یسیرُ

تَغلغَل حیث لم یبلغ شَرابٌ ولا حزنٌ ولم یبلغ سرورُ

أکاد إذا ذکرتُ العهد منها أطیر لو أن إنسانا یَطیرُ

عثمہ کی محبت میرے دل میں موجزن ہے اس کا ظاہر اس کے باطن کے ساتھ چل رہا ہے۔ وہ وہاں تک نفوذ کر گئی ہے جہاں شراب نہیں پہنچتی نہ جہاں تک حزن ہے اور نہ ہی سرور پہنچا ہے جب میں اس کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتا ہوں تو قریب ہے کہ میں اڑنے لگوں اگر انسان اڑتا۔

ابن شہاب نے کہا: میں نے کہا تو اس فضل و شرف میں ہوتے ہوئے شعر کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جس کے سینے میں تکلیف ہو جب وہ تھوکتا ہے تو اسے آرام آجاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جہاں تک مذموم شعر کا تعلق ہے تو اس کا سماع حلال نہیں اور اس کا کہنے والا ملامت کیا گیا ہوتا ہے۔ وہ باطل بات کہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں میں سے جو سب سے بزدل ہوتا ہے اسے عنترہ پر فضیلت دیتا ہے۔ اور دنیا جہاں کے بخیل کو حاتم پر فضیلت دیتا ہے، وہ بری پر بہتان لگاتا ہے، متقی پر فسق کی تہمت لگاتا ہے۔ ایک کام کسی نے کیا نہیں ہوتا تو وہ افراط سے کام لیتا ہے مقصد نفس کو تسلی دینے کی رغبت رکھنا اور قبول کی تحسین کرنا۔ جس طرح فرزدق سے مروی ہے کہ سلیمان بن عبد الملک نے اس کا قول سنا:

فبِتْنَ بجانبیَّ مُصرَّعاتٍ وبِتُّ أفُضُّ أغلاقَ الختامِ

اس شعر میں عورتوں سے خواہش نفس پوری کرنے کا ذکر ہے۔

سلیمان بن عبد الملک نے کہا: تجھ پر حد واجب ہو چکی۔ فرزدق نے عرض کی: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حد کو ساقط کر دیا ہے۔ فرمایا: وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ روایت بیان کی گئی ہے کہ نعمان بن عدی بن نضلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عامل تھا۔ اس نے یہ اشعار کہے:

مَن مُبلِغُ الحسناءِ أنّ حلیلَها بمیسانَ یُسقَی فی زُجاجٍ و حَنْتَمِ

إذا شئتُ غنّتنی دَهاقینُ قریۃٍ ورقاصۃٌ تَحذو علی کلِّ مَنسِمِ

فإن کنت ندمانی فبالأکبر أسقِنی ولا تَسقِنی بالأصغر المتثلِّمِ

لعلَّ أميرَ المؤمنين يَسوءُه تَنادُمنا بالجَوسَقِ المتهدِّمِ

ان اشعار میں شراب پینے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی عورتوں کا تذکرہ ہے۔

یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے اسے حاضری کا حکم دیا۔ کہا: اللہ کی قسم! یہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! جو کچھ آپ نے کہا اس میں سے میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ تو فضول کلام تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: جہاں تک تیرے عذر کا تعلق ہے اس نے تجھ سے حد کو ساقط کر دیا ہے مگر تو میرا کبھی عامل نہیں بنے گا تو نے کہہ دیا جو کہہ دیا۔ زبیر بن کبیر نے ذکر کیا اور کہا: مصعب بن عثمان نے مجھے خبر دی کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ بنے سوائے عمر بن ابی ربیعہ اور احوص کے کسی کو پریشانی نہ تھی آپ نے مدینہ طیبہ کے عامل کو خط لکھا: تو عمر اور احوص کے شر اور خبث کو پہچانتا ہے، جب تیرے پاس میرا یہ خط آئے ان دونوں کو گرفتار کر اور دونوں کو میرے پاس بھیج دو جب عامل کے پاس خط پہنچا تو اس نے دونوں کو آپ کے پاس بھجوا دیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز، عمر بن ابی ربیعہ کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا:

فلم أرَ كالتَّجميرِ منظَرَ ناظرٍ ولا كليالي الحج أفْلَتْنَ ذا هَوَى

وكم مالِئٍ عينيه من شيءِ غيرِه إذا راح نحو الجمرةِ البيضُ كالدُّمَى

خبردار اگر تو حج کا ارادہ کرتا تو تو کسی اور چیز کی طرف نہ دیکھتا جب ان دنوں میں لوگ تجھ سے چھٹکارا نہیں پاتے تو کب چھٹکارا پاتے ہوں گے پھر اس کو جلاوطن ہو جانے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا اس سے بہتر صورت بھی ہے؟ فرمایا: وہ کیا ہے؟ عرض کی: میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں دوبارہ اس قسم کے اشعار نہیں کہوں گا۔ اور کبھی بھی اشعار میں عورتوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ میں نئے سرے سے توبہ کرتا ہوں۔ پوچھا: تو ایسا کرے گا؟ عرض کی: ہاں۔ اس کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ پھر احوص کو بلایا فرمایا:

الله بيني و بين قَيِّمِها يَفِرُّ مِنِّي بها وأتْبَعُ

بلکہ اللہ اس کے قیم اور تیرے درمیان ہے۔ پھر اس کی جلاوطنی کا حکم دیا۔ اس کے متعلق انصار میں سے چند افراد نے گفتگو کی فرمایا: اللہ کی قسم! جب تک حکومت میرے پاس ہے میں اس کو واپس نہیں آنے دوں گا، کیونکہ یہ اعلانیہ فاسق ہے۔ یہ مذموم شعر کا حکم ہے اور اس شعر کو کہنے والے کا حکم ہے۔ اس کا سننا اور مسجد وغیرہ میں پڑھنا حلال نہیں، جس طرح قبیح کلام کو نثر کی صورت میں پڑھنا جائز نہیں۔ اسماعیل بن عیاش نے عبد اللہ بن عون سے وہ محمد بن سیرین سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں حسن الشعر كحسن الكلام و قبيحه كقبيح الكلام۔ اچھا شعر اچھی کلام کی طرح ہے اور قبیح شعر قبیح کلام کی طرح ہے۔ اسے اسماعیل نے عبد اللہ شامی سے روایت کیا ہے اہل شام سے اس کی حدیث صحیح ہے جو یحییٰ بن معین اور دوسرے علماء نے کہا ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاصم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الشعر

بمنزلة الکلام حسنه کحسن الکلام و قبیحه کقبیح الکلام۔(1) شعر کلام کے قائم مقام ہے اچھا شعر اچھی کلام کی طرح اور قبیح شعر قبیح کلام کی طرح ہے۔

**مسئلہ نمبر3**۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہاں تک کہ وہ پیٹ کو کھا جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے''۔ صحیح میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: اس اثنا میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک شاعر شعر کہتے ہوئے سامنے آ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا: ''شیطان کو قابو کر لو''۔ کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے''(2)۔ ہمارے علماء نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ شاعر کے ساتھ اس وقت کیا جب اس کے احوال کو جانا۔ شاید یہ شاعر وہ تھا جس کے بارے میں معروف تھا کہ اس نے شعر کو کمائی کا ذریعہ بنا دیا ہے جب اسے کوئی مال دیا جاتا تو وہ مدح میں افراط سے کام لیتا اور جب اسے مال نہ دیا جاتا تو وہ ہجو اور مذمت میں زیادتی کرتا وہ لوگوں کو ان کے اموال اور عزتوں میں اذیتیں دیا کرتا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں جس کی یہ حالت ہو تو جتنا مال وہ شعر کے ذریعے کماتا ہے وہ حرام ہے اس قسم کے جو اشعار کہے وہ اس پر حرام ہیں ان کو سننا حلال نہیں بلکہ ان کا انکار واجب ہے جس کو اس کی زبان سے خوف ہو اور اس کے لیے انکار بھی ممکن نہ ہو تو جہاں تک طاقت رکھے وہ اس کے ساتھ نرمی کرے اور جس قدر ممکن ہو اپنا بچاؤ کرے ابتداءً اسے کچھ نہ دے کیونکہ یہ معصیت پر مدد بنتی ہے۔ اگر وہ کوئی صورت پائے تو عزت بچانے کی نیت کرتے ہوئے اسے مال دے، بندے نے عزت بچانے کے لیے جو مال دیا وہ اس کے حق میں صدقہ کے طور پر لکھ دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں قیح سے مراد وہ مادہ ہے جس میں خون کی آمیزش ہوتی ہے۔ اسی بارے میں یہ کہا جاتا ہے قاح الجرح یقیح و تقیح و قیح۔ ''یریه''۔ اصمعی نے کہا: یہ وری سے مشتق ہے یہ رمی کی مثل ہے اس سے مراد ہے ان یدوی جوفه اس سے یہ لفظ ذکر کیا جاتا ہے رجل موری۔ یہ لفظ مشدد ہے مہموز نہیں۔ صحاح میں ہے وری القیح جوفه یریه وریا۔ جب وہ اسے کھا جائے۔ یزیدی نے یہ شعر پڑھا:

قالت له وَرْیًا اِذا تَنَحنَحا

اس کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ حدیث ان سب میں اچھی ہے: بے شک وہ شخص جس پر شعر کا غلبہ ہو اور اس کا سینہ اس سے بھر جائے اس کے علاوہ اس میں کوئی علم نہ ہو اور نہ ہی ذکر میں سے کوئی چیز ہو۔ اس (شعر) کے ساتھ وہ باطل میں عی ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے اور ایسے راستے پر چلتا ہے جس کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ جس طرح بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہو، لچر گفتگو کرتا ہو، غیبت کرتا ہو اور قبیح قول کرتا ہو جس پر شعر کا غلبہ ہو تو اس کو یہ مذموم اور کمینے اوصاف لازم ہوتے ہیں کیونکہ ادبی عادت یہی ہے، یہی وہ معنی ہے جس کی طرف امام بخاری نے اپنی صحیح میں اشارہ کیا ہے جب اس حدیث کا باب یہ ذکر کیا باب ما یکرہ ان یکون الغالب علی الانسان الشعر اس کی تاویل میں یہ قول کیا گیا ہے اس سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں نبی

1۔ الادب المفرد للبخاری

2۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، باب تحریم اللعب بالنرد شیر، جلد 2، صفحہ 240

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کی ہجو کی گئی ہو۔ یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی ہجو کی گئی ہو یا زیادہ کی گئی ہو وہ کفر اور مذموم ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی ہجو وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہو وہ بھی مذموم ہے اس وجہ سے کثیر کی تخصیص کوئی معنی نہیں رکھتی۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ امام شافعی نے کہا: شعر کلام کی نوع ہے اچھا شعر اچھی کلام کی طرح اور قبیح شعر قبیح کلام کی طرح ہے یعنی شعر بالذات مکروہ نہیں یہ متعلقات کی وجہ سے مکروہ ہے جب کہ عربوں کے ہاں اس کا بڑا مقام تھا۔ ان میں سے پہلے لوگوں نے کہا:

وجُرْحُ اللسان كجُرْحِ اليد زبان کا زخم ہاتھ کے زخم کی طرح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کے بارے میں فرمایا جس میں حضرت حسان نے مشرکوں کو جواب دیا تھا: إنه لأسرع فيهم من رشق النبل۔ یہ شعر ان میں تیر مارنے سے زیادہ تیزی سے اثر کرے گا۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے جب عمرۃ القضاء کا مرحلہ تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے سامنے چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

خَلُّوا بني الكفّار عن سبيله اليومَ نَضرِبْكُمْ على تنزيله

ضربا يزيلُ الهامَ عن مَقِيله ويُذْهِلُ الخليلَ عن خليله

اے کفار کی اولاد! آپ کا راستہ خالی کر دو آج ہم قرآن کے حکم کے مطابق تم پر ایسا وار کریں گے جو کھوپڑی کو تن سے جدا کر دے گا اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن رواحہ! اللہ تعالیٰ کے حرم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! اس کو چھوڑ دو یہ ان میں تیر کے وار سے زیادہ تیزی سے اثر کرنے والا ہے'' (1)۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ جتنا میں جانتا ہوں قراء نے الشُّعَرَآءُ کے رفع میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ فعل مضمر کے ساتھ نصب دینا بھی جائز ہے جس کی تفسیر يَتَّبِعُهُمُ فعل بیان کرتا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے اس کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابو عبید نے کہا: ان پر غالب نصب کا پسندیدہ ہونا ہے اس نے پڑھا وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ (المائدہ: 38) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۞ (الھب) سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا (النور: 1) نافع، شیبہ، حسن بصری اور سلمی نے پڑھا یتبعهم یعنی اسے مخفف پڑھا۔ باقی قراء نے یتّبعهم پڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: دو آدمیوں نے باہم ہجو کی ایک انصاری تھا اور ایک مہاجر تھا دونوں نے یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے بے وقوف بھی تھے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا (2)۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو آگے اشعار روایت کرتے ہیں۔ علی بن طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے: مراد وہ کفار ہیں جن کی جنوں اور انسانوں میں سے گمراہ اتباع کرتے ہیں۔ ہم نے اس کا

1۔ جامع ترمذی، کتاب فی الادب، باب ما جاء فی انشاد الشعر، جلد 2، صفحہ 107
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 232

ذکر کیا ہے۔ غضیف نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی جو آدمی اسلام میں ہجو کا آغاز کرے اس کی زبان کاٹ دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ابلیس غم سے چیخا اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہوئی اس دن کے بعد تم اس چیز سے مایوس ہو جاؤ کہ تم حضرت محمد ﷺ کی امت میں شرک کا رواج دے سکو گے بلکہ اس مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں شعر کو عام کر دو''۔

**مسئلہ نمبر 6۔** اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وہ ہر لغویات میں داخل ہو جاتے ہیں اور حق کے طریقہ کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ جو آدمی حق کی اتباع کرے اور اسے علم ہو کہ جو وہ کہے گا وہ اس پر لکھا جائے گا تو وہ حق پر قائم ہو جاتا ہے وہ آوارہ جدھر منہ آئے ادھر نہیں چلا جاتا کہ جو کچھ کہے اس کی پرواہ نہ کرے۔ یہ آیت عبداللہ بن زبعری، مسافع بن عبد مناف اور امیہ بن ابی صلت کے حق میں نازل ہوئی۔

وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ان میں سے اکثر جھوٹ بولتے ہیں، یعنی وہ اپنی گفتگو کے ذریعے کرم اور خیر پر رہنمائی کرتے ہیں اور وہ کرتے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابی عزہ جمحی کے حق میں نازل ہوئی۔ جب اس نے کہا:

أَلَا أَبلِغَا عَنِّي النَّبِيَّ مُحَمَّدًا       بِأَنَّكَ حَقٌّ وَالْمَلِيكُ حَمِيدُ
وَلٰكِنْ إِذَا ذُكِّرْتُ بَدْرًا وَأَهْلَهُ       تَأَوَّهَ مِنِّي أَعْظُمٌ وَ جُلُودُ

خبردار تم دونوں حضرت محمد ﷺ جو نبی ہیں کو پہنچا دو کہ آپ حق پر ہیں اور مالک حمد کے لائق ہے لیکن جب مجھے بدر اور اس میں قتل ہونے والے لوگ یاد آتے ہیں تو میری ہڈیاں اور جلد آوہ آوہ کرتے ہیں۔

پھر مومنوں کے شعر کو اس حکم سے خارج کیا۔ مومن شعراء یہ ہیں حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر۔ اسی طرح وہ تمام شعراء جو ان کی طرح سچی بات کرتے۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے۔ وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یہ انتقام بھی حق کے ساتھ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کی حدود بیان کیں اگر اس نے اس سے تجاوز کیا تو اس نے باطل طریقہ سے انتقام لیا۔ ابو الحسن مبرد نے کہا: جب سورۃ ''الشعراء'' نازل ہوئی تو حضرت حسان، حضرت کعب بن مالک اور حضرت ابن رواحہ روتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ وہ برتر ذات جانتی ہے کہ ہم شعراء ہیں؟ فرمایا: ''اس کے بعد والا حصہ پڑھو اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تم وہ ہو جو اس کا مصداق ہیں وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا تم مشرکوں کو رد کرنے والے تھے''۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بدلہ لو اور حق بات ہی کہو اور آباء اور امہات کا ذکر نہ کرو''۔ حضرت حسان نے ابو سفیان کے بارے میں کہا:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ       وَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ
فَإِنَّ أَبِي وَ وَالِدَهُ وَ عِرْضِي       لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ
أَتَشْتُمُهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ       فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ

لسانی صارمٌ لا عیبَ فیہِ و بحری لا تُکَدِّرہ الدِّلاءُ

تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی اور میں نے آپ کی طرف سے جواب دیا جب کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا ہے۔ میرا والد، میری والدہ اور میری عزت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے سامنے ڈھال ہے کیا تو آپ کو برا بھلا کہتا ہے جب کہ تو آپ کا ہم پلہ نہیں، تم میں سے برا تم میں سے اچھے پر قربان، میری زبان تلوار ہے اس میں کوئی عیب نہیں اور میرے سمندر کو ڈول گدلا نہیں کرتے۔

حضرت کعب نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے شعر کے بارے میں حکم نازل کیا جس کو آپ جانتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن اپنی جان، تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! گویا تم اپنی زبان سے تیر برسا رہے ہو''۔ حضرت کعب نے کہا:

جاءت سَخِینَۃُ(1) کی تُغالبَ ربَّھا وَلَیُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الغَلاَّبِ

قریش آئے تاکہ اپنے رب سے غلبہ میں مقابلہ کریں غلبہ پانے والوں میں سے غالب ہی غالب قرار دیا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے کعب! اللہ تعالیٰ نے تیرے اس قول پر تیری تعریف کی ہے''۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اس آیت وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کو اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے ساتھ منسوخ قرار دیا۔ مہدوی نے کہا: صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اِلَّا الَّذِیْنَ استثناء ہے۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ جو آدمی ظلم کے ساتھ انتقام لے اس کے لیے اس میں دھمکی ہے۔ شریح نے کہا عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے خلاصی پائیں گے۔ ظالم عقاب کا انتظار کرتا ہے اور مظلوم نصرت کا انتظار کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا اَیَّ مُنْفَلَتٍ یَنْفَلِتُون، یعنی یہ لفظ فاء اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا أیّ منقلب ینقلبون کا معنی ہے کس پناہ کی وہ پناہ لیں گے۔ کون سی لوٹنے کی جگہ کی طرف وہ لوٹیں گے کیونکہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ سب سے قبیح ٹھکانہ ہے، ان کا لوٹنا عقاب کی طرف ہے اور وہ سب سے بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ منقلب اور مرجع میں فرق یہ ہے کہ منقلب اسے کہتے ہیں کہ جس میں وہ ہو اس کی ضد کی طرف منتقل ہونا۔ مرجع ایک حال جس میں وہ ہے اس سے اس حال کی طرف لوٹ جانا جس پر وہ پہلے تھا ہر مرجع منقلب تو ہے مگر ہر منقلب مرجع نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ أیّ یہ ینقلبون کی وجہ سے منصوب ہے یہ مصدر کے معنی میں ہے یہ سیعلم کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ ای اور دوسرے کلمات استفہام میں ماقبل عمل نہیں کرتا جو نحویوں نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا، اصل بات یہ ہے کہ استفہام ایک معنی ہے اور اس کا مقابل ایک اور معنی ہے اگر اس میں ماقبل عمل کرے تو بعض معانی بعض میں داخل ہو جائیں۔

1۔ یہ کھانا ہے جو آٹے اور گھی سے بنایا جاتا ہے یہ کھانا گرم ہوتا ہے قریش اس کے شیدائی تھے اس لیے قریش کو یہی نام دیا جو اس کھانے کا تھا۔ مترجم